ماہنامہ

جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - August 2015 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 22...... شمارہ نمبر 08 ...... اگست 2015..... قیمت 5روپے

1

انتہائی درجہ کی غربت اور بھوک کا خاتمہ

2

عالمگیری بنیاد پر پرائمری تعلیم کا حصول

3

صنفی برابری اور عورت کے اختیارات کا فروغ

4

بچوں کی اموات میں کمی

5

ماؤں کی بہتر صحت

6

HIV\ایڈز، ملیریا اور دیگر بیماریوں کے خاتمے کی مہم

7

ماحول اور آب وہوا کا بہتر نظام

8

ترقی کے لیے عالمی شراکت داری

14 اگست 2015 68سال ۔۔۔اور کتنے سال؟

27 جولائی 2015، کوئٹہ: ایچ آر سی پی کے ایک وفد نے سینیٹ کی قائمہ کمیٹی برائے انسانی حقوق کے اراکین سے ملاقات کی

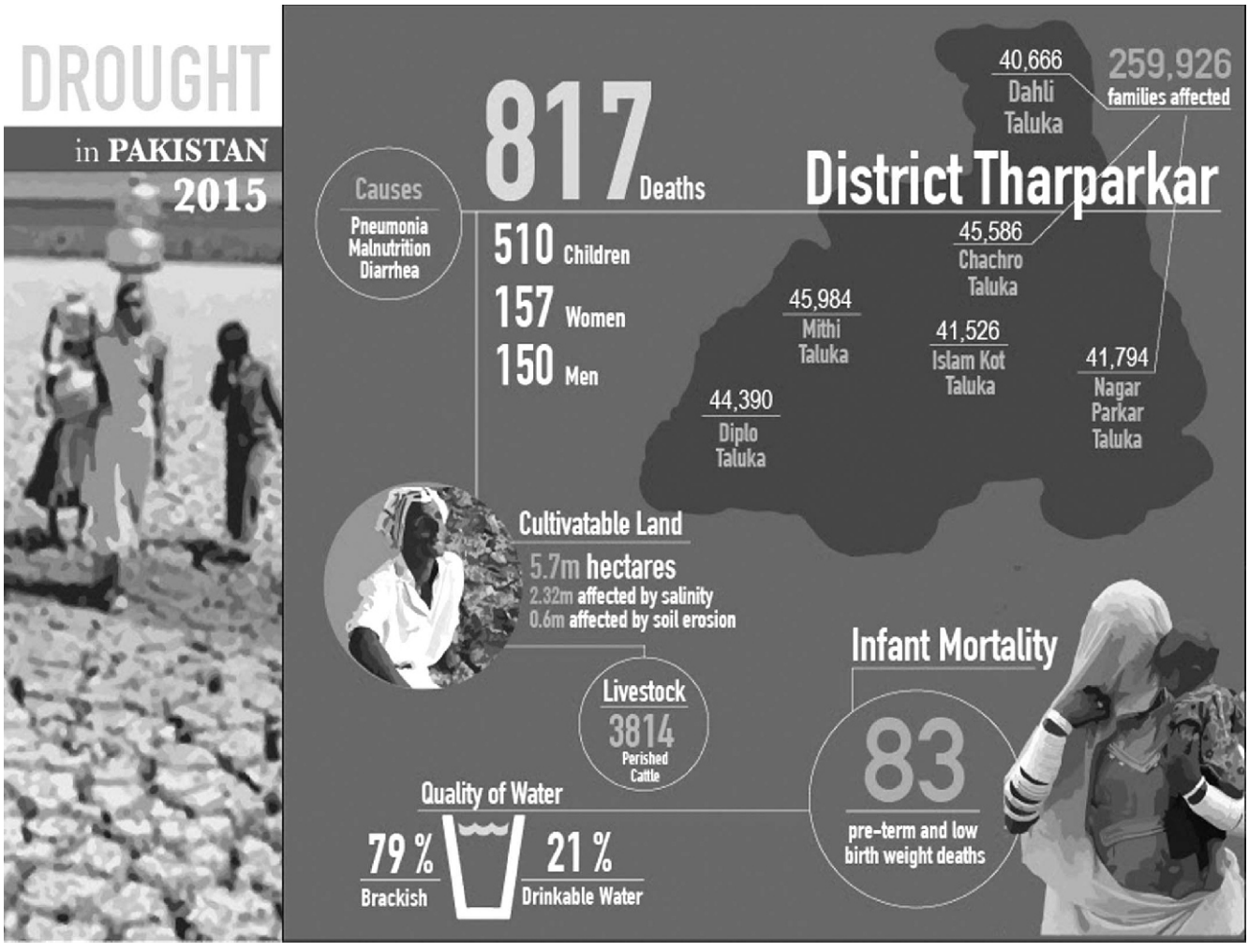

ضلع تھرپارکر میں نمونیا، خوراک کی کمی اور پیچش کے باعث ہونے والی اموات کے اعداد و شمار

''انتہا پسندی کے خاتمے کیلئے انسانیت دوست اقدار کا فروغ''

کے حوالے سے روہڑی، کروڑلعل عیسن، شیخوپورہ، قمبر اور پیر محل میں دوروزہ تربیتی ورکشاپس کا انعقاد کیا گیا

روہڑی: 24-25 جولائی

کروڑ لال عیسن: 25-26 جولائی

شیخوپورہ: 28-29 جولائی

قمبر: 29-30 جولائی

پیر محل: 30-31 جولائی

29 جولائی 2015، حیدر آباد: سندھ میں جبری گمشدگی کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے ایچ آر سی پی کا اجلاس منعقد ہوا

28 جولائی 2015، اسلام آباد: ایچ آر سی پی نے بچوں کے حقوق کے کنونشن پر عملدرآمد کے حوالے سے پاکستان کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے مشاورت کا اہتمام کیا

فہرست

اذیت رسانی کے خلاف عالمی دن کے موقع پر سیمینار 7

محض طاقت کے بل بوتے پر نہیں 9

ملک بھر میں سیلاب کی صورتحال 10

ستم زدہ شیڈول ذاتیں 13

پاکستان جہاں ہر سال 1000 لڑکیوں کو جبراً مسلمان کیا جاتا ہے 17

تعلیم، ریاست اور نجی شعبہ 19

پاکستان میں توہین مذہب: ہجوم کے ہاتھوں ایک مسیحی جوڑے کی ہلاکت کی داستان 23

عورتیں 27

انتہاپسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس 29

سیکھنے کا تعمیراتی عمل 37

کاری، کارو کہہ کر مار ڈالا 40

بچے 41

قانون نافذ کرنے والے ادارے 42

خودکشی کے واقعات 43

اقدام خودکشی 47

جنسی تشدد کے واقعات 49

صحت 51

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط 52

مستحکم ترقی کے لیے واضح منصوبہ بنایا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ مستحکم ترقیاتی اہداف کے حصول کے لیے سنجیدگی سے تیاری کرے کیونکہ یہ اہداف تقریباً تمام شعبوں میں پاکستانی عوام کی خواہشات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا:

''بین الاقوامی برادری مستحکم ترقیاتی اہداف (ایس ڈی جیز) کو حتمی شکل دینے میں مصروف ہے جن کے تحت 30-2016 تک کے عرصے کے لیے زیادہ تر ریاستوں کے لیے ترقیاتی ایجنڈا مقرر کیا جائے گا۔ ہزاری ترقیاتی اہداف کی پیروی میں طے کیے گئے 17 ایس ڈی جیز میں یہ اہداف شامل ہیں: غربت کی تمام شکلوں کا خاتمہ؛ غذائی عدم تحفظ کا خاتمہ اور مستحکم زراعت کا فروغ؛ صحت مند زندگی کی ضمانت دینا؛ سب کے لیے جامع اور منصفانہ معیاری تعلیم کو یقینی بنانا؛ صنفی مساوات اور تمام خواتین اور لڑکیوں کو بااختیار بنانا؛ کم قیمت توانائی تک رسائی کی ضمانت دینا؛ جامع اور مستحکم معاشی ترقی کا فروغ؛ سب کے لیے مکمل روزگار اور معقول کام؛ ریاستوں کے اندر اور ریاستوں کے مابین عدم مساوات میں کمی؛ اور قانون کی حکمرانی اور ہر سطح پر جوابدہ، جامع، شراکتی، اور نمائندہ فیصلہ سازی کی ضمانت۔

اگرچہ تمام ایس ڈی جیز اور ان کے 169 ذیلی اہداف پاکستان کے لیے اہم ہیں تاہم ہمارا خیال ہے کہ ان میں سے بعض اہداف ہمارے لوگوں کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ تعلیم صحت کے شعبوں میں مقررہ اہداف کا حصول، غربت کا خاتمہ، عدم مساوات (اس کی تمام اقسام) میں کمی، جنسی عدم مساوات کا خاتمہ، انصاف کی مساوی فراہمی اور شراکتی و نمائندہ نظم و نسق کا قیام ضروری اہداف میں شامل ہیں۔

اسلام آباد میں ایس ڈی جیز پر ایچ آر سی پی کی منعقد کردہ مشاورت میں اس امر پر اتفاق رائے تھا کہ ایم ڈی جیز کے حصول میں حکومتی ناکامی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس حوالے سے ضروری اقدامات اٹھانے میں حکومت کے پاس عزم اور استعداد کی کمی تھی۔ اس امر کو یقینی بنانے کے لیے کہ یہی وجہ ایس ڈی جیز کے حصول کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائے، حکومت کو چاہئے کہ وہ اس حوالے سے سرگرمیوں کا آغاز کردے تاکہ ایس ڈی جی کے ایجنڈے پر جلد از جلد کام شروع ہوسکے۔ انتظامی طریق کار اور مالیاتی وسائل کی دستیابی کو ترجیح دی جائے تاکہ باشعور مردوں اور عورتوں پر مشتمل ایک ایسا معاشرہ جنم لے سکے جو کہ مساوات اور انصاف پر مبنی استحکام پذیر نظام وضع کرنے کے قابل ہو۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 03 جولائی 2015]

بلوچستان کو نسلی اور فرقہ وارانہ تشدد سے نجات دلائی جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے بلوچستان میں ہونے والے حالیہ نسلی اور فرقہ وارانہ تشدد پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ ان تشدد آمیز کارروائیوں کے ذمہ داروں کے خلاف سخت کارروائی کر کے انہیں قرار واقعی سزائیں دی جائیں۔ بلوچستان میں وقوع پذیر ہونے والے تشدد کے یہ واقعات اہدافی تھے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

آج اپنے ایک بیان میں کمیشن نے کہا ہے کہ ''ایک مختصر سے وقفے کے بعد بظاہر نسل اور فرقہ کی بنیاد پر ایک بار پھر سے بلوچستان میں ہونے والی قتل و غارت گری پورے ملک کے عوام کے لئے باعث تشویش ہے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ بلوچستان میں عوام کی طرف سے بار بار مطالبے کے باوجود حکام فرقہ وارانہ اور نسلی تشدد کو روکنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔ صرف اتنا ضرور ہوا کہ چند ہفتوں کے لئے تشدد کے واقعات رونما ہوئے لیکن اب پھر حالات وہیں آ گئے ہیں اور ایک بار پھر انسانی جانوں کا نقصان شروع ہوگیا ہے۔'' اہدافی حملوں کا حالیہ شکار ہزارہ قبیلے کے لوگ ہیں جن کی نسل کشی کا عمل تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ دو روز قبل ایک بار پھر کوئٹہ میں اس قبیلے کے لوگوں کو شکار بنایا گیا۔ پیر کے روز کوئٹہ میں پاسپورٹ آفس کے باہر جن دو بھائیوں کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا وہ ہزارہ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ پہلی بار نہیں کہ پاسپورٹ آفس کے باہر قطار میں کھڑے ہزارہ قبیلے کے لوگوں پر گولیاں برسائی گئی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں ہدف بنا کر قتل کیا جا رہا ہے۔ اس صورتحال سے تنگ آ کر اب یہ لوگ ملک سے باہر جانے پر مجبور ہوگئے ہیں''۔

کمیشن نے مزید کہا ہے کہ ''پسنی میں پچھلے دنوں تین مزدوروں کو ہدف بنا کر قتل کر دیا گیا۔ انہیں اس لیے قتل کیا گیا کہ

وہ پنجاب کے ضلع خانیوال سے تعلق رکھتے تھے۔ ایچ آر سی پی کا خیال ہے کہ قتل کی ان وارداتوں میں ملوث عناصر نسلی نفرت پیدا کر رہے ہیں اور اس طرح وہ بلوچستان کی کوئی خدمت نہیں کر رہے''۔ کمیشن حکام کو باور کرانا چاہتا ہے کہ شہریوں کی جان و مال کا تحفظ اور بلوچستان میں موجود لاقانونیت پر قابو پانا حکومت کا فرض ہے۔ ہم بلوچستان کے وزیراعلیٰ سے متفق ہیں کہ فرقہ واریت صوبے کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ تاہم اب وعدوں اور سخت اقدامات کے انتباہ سے زیادہ کی ضرورت ہے۔ ہم بلوچستان کے وزیراعلیٰ سے متفق ہیں کہ فرقہ واریت صوبے کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تاہم اب وعدوں اور سخت اقدامات کے انتباہ سے زیادہ کی ضرورت ہے تاکہ نسل اور فرقہ کی بنیاد پر ہونے والی قتل و غارت گری کو روکا جا سکے۔

''وقت آ گیا ہے کہ ان حملوں میں ملوث افراد ہی نہیں بلکہ ایسے واقعات سے متعلق تمام عناصر اور دہشت گردی کے واقعات میں ملوث افراد کی تاریں ہلانے والوں اور ان عناصر کی ہر ممکن طریقے سے مدد کرنے والے عناصر کے خلاف سخت کارروائی کی جائے''۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق سول سوسائٹی، مذہبی اور سیاسی جماعتوں اور دوسرے رہنماؤں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بلوچستان کو تشدد سے نجات دلانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں اور کچھ نہیں تو کم از کم مذہبی اور نسلی تشدد کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کریں''۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 08 جولائی 2015]

سندھ میں گمشدہ شخص کی ہلاکت قابلِ مذمت ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے سندھ میں جبری گمشدگی کا شکار ہونے والے ایک شخص کی ہلاکت پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔ کمیشن کا کہنا ہے کہ یہ قتل ملک میں بڑھتی ہوئی عدم رواداری کی نشاندہی کرتا ہے۔

پیر کو جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے راجا داہر کی ہلاکت کی مذمت کی۔ اطلاعات کے مطابق وردی میں ملبوس سکیورٹی فورسز کے اہلکار راجہ داہر کو 4 جون کو خیر پور میں اس کے آبائی گاؤں سے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ کمیشن نے کہا: ''اس واقعے کے بیس سے زائد چشم دید گواہ موجود ہیں''۔ کہا جاتا ہے کہ راجا داہر کو ایک قوم پرست جماعت کے ساتھ وابستگی کی بنا پر اغوا کیا گیا تھا۔ 5 جولائی کو ضلع جامشورو میں سپر ہائی وے کے قریب ایک مسخ شدہ نعش ملی۔ 25 جولائی کو پولیس نے انگلیوں کے نشانات کی تصدیق کے بعد مقتول کی شناخت راجا داہر کے طور پر کی۔ سندھ ہائی کورٹ راجہ داہر کی گمشدگی کے خلاف ایک پٹیشن کی سماعت کر رہی تھی۔ جس کی سماعت اسی دن ہونا تھی جس دن اس کی نعش کی شناخت ہوئی۔

''یہ واقعہ سکیورٹی فورسز اور پولیس اہلکاروں میں قانون کی حدود سے تجاوز کرنے کے رجحان کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ریاست کے کارندے جن کی ذمہ داری لوگوں کا تحفظ کرنا ہے وہی لوگوں کی زندگیاں چھین رہے ہیں۔

''بدقسمتی سے، سندھ ہائی کورٹ راجا داہر کی باحفاظت بازیابی کو یقینی نہ بنا سکی، تاہم اسے اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ جن لوگوں نے اسے اغوا کر کے قتل کیا ان کی باضابطہ طور پر نشاندہی کی جائے اور انہیں انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے''۔

اس واقعے میں ملوث مجرموں کو سزا دینے کے علاوہ مقتدر حضرات کو عدم رواداری کے بنیادی سبب کو دور کرنے میں اپنی ناکامی پر بھی قابو پانا ہوگا۔ بنیادی خرابی کا خاتمہ کرنے سے انکار شہریوں کی ہلاکتوں کو صحیح سمجھنے کے مترادف ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 27 جولائی 2015]

کراچی میں ہونے والی کارروائی سے قانون کی پاسداری اور اداروں پر تنقید کے حق کو نقصان نہیں پہنچنا چاہئے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے کراچی میں جاری رینجرز آپریشن کو زیادہ شفاف اور قانون کے دائرہ میں رہنے کی ضرورت پر زور دیا اور ایسے اقدامات پر تشویش کا اظہار کیا ہے جس سے شہریوں کے ریاستی اداروں پر تنقید اور ان اقدامات کی مخالفت کرنے کے حق کی نفی ہو سکتی ہے۔

کراچی میں جاری رینجرز آپریشن کے بارے میں متحدہ قومی موومنٹ کی جانب سے اس بات پر اصرار کیا گیا ہے کہ اس آپریشن کا ہدف وہ ہی ہے اور اسے ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ایم۔ کیو۔ ایم کے دفاتر پر چڑھائی کے دوران ایم کیو ایم اور رینجرز نے بہت سے دعوے کئے ہیں جو آزادانہ چھان بین کا تقاضہ کرتے ہیں۔

دعوؤں اور جواب دعوؤں کے دوران حق رائے اور اظہار رائے کے حق کے بارے میں پیدا ہونے والے خدشات پر کمیشن کی تشویش میں اضافہ ہوا ہے۔ رینجرز یا کسی بھی ادارہ پر تنقید کے حق پر کسی قسم کی قدغن لگانے کی کوئی جائز وجہ موجود نہیں۔ یقیناً یہ حق نفرت یا تشدد پھیلانے کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا۔

ایچ آر سی پی یہ نہیں سمجھتا کہ ایم۔ کیو۔ ایم کے لیڈروں پر الطاف حسین کی تقاریر سننے کے باعث مقدمات قائم کرنا آزادی رائے اور آزادی اظہار کے حق سے مطابقت کا حامل ہے۔ ماسوا اس کے کہ یہ عمل نفرت پر اُکساتا ہو۔

ایچ آر سی پی تسلیم کرتا ہے کہ کراچی میں ہونے والی بہیمانہ قتل و غارت گری میں رینجرز کے آپریشن کے باعث یقینی طور پر کمی واقع ہوئی ہے۔ ہم امید اور توقع کرتے ہیں کہ اس بہتر ہوتی صورتحال کو برقرار رکھنے کے لئے موثر اقدامات اٹھائے جائیں گے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ اس قتل و غارتگری میں ملوث عناصر کو شفاف اور قانونی طریقے سے کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔

ایچ آر سی پی کو کراچی میں مشکوک افراد کے مقابلوں میں مارے جانے میں قابل ادراک اضافہ کے حوالے سے قانونی تقاضے پورے ہونے کے بارے میں تشویش ہے۔ جیسا کہ حکومت کی طرف سے جاری ہونے والے اعداد و شمار سے بھی عیاں ہوتا ہے۔ ہم سکیورٹی آپریشنوں میں شفافیت پر اس قدر زور نہیں دے سکتے جس قدر ضرورت ہے۔ اور بلاتردد یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ لوگوں کا اٹھا لیا جانا اور ان کے اتہ پتہ کے بارے میں کافی عرصہ لاعلم ہونا کسی صورت قابل قبول نہیں ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ سکیورٹی ایجنسیاں بھی طالبان اور ان جیسے دوسرے گروہوں کے بارے میں جانتی ہیں کہ وہ کراچی میں پھل پھول رہے ہیں، وہ اپنی عدالتیں لگاتے ہیں اور جھگڑوں کے فیصلے کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ سکیورٹی ایجنسیاں اتفاق کریں گی کہ کراچی میں امن و امان بحال کرنے کے لئے اٹھایا گیا کوئی بھی اقدام اس وقت تک بے مقصد رہے گا جب تک ایسے عناصر کا تعاقب نہیں کیا جاتا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 28 جولائی 2015]

اذیت رسانی کے خلاف عالمی دن کے موقع پر سیمینار

زیر حراست ملزمان پر تشدد، بہیمانہ اور شرمناک عمل ہے۔ یہ پاکستان کے آئین کی خلاف ورزی ہے اور اقوام متحدہ کے اذیت رسانی کے خلاف کنونشن کی بھی خلاف ورزی ہے جس کی توثیق حکومت پاکستان 2010 میں کر چکی ہے۔

ملک میں جاری اذیت رسانی کے خاتمے کے لیے موثر قانون سازی کرانے کے لیے اذیت رسانی کے خلاف عالمی دن کے موقع پر 26 جون کو آرٹس کونسل کراچی میں تشدد کے خلاف عالمی دن کے موقع پر پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کراچی اور ایشین ہیومن رائٹس کمیشن کی جانب سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔ سیمینار میں صدارت کے فرائض جسٹس ماجدہ رضوی چیئر پرسن سندھ ہیومن رائٹس کمیشن نے انجام دیئے۔

سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے جناب حسن اطہر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایشین ہیومن رائٹس کمیشن ہانگ کانگ اور ایشیا کے چند دیگر ملکوں نے مل کر بنائی تھی۔ جسٹس دراب پٹیل نے اس کا پروگرام بنایا اس کے علاوہ ایشیا کے دیگر ممالک میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں، کاروکاری، جرگے، کم عمری کی شادی، فرسودہ رسموں اور دیگر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف جدوجہد کے لیے یہ ادارہ قائم کیا گیا۔ 2010ء میں پاکستان نے اقوام متحدہ کے اس کنونشن پر دستخط کئے ہیں اور اب تک صرف اتنی کامیابی میسر ہوئی کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے سینیٹر فرحت اللہ بابر نے یہ بل سینٹ میں جمع کرادیا ہے۔ اب تک اس حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ اس دن کو ہم پرجوش انداز میں مناتے ہوئے اس دن کی اہمیت کو اجاگر کریں، گزشتہ کئی سال سے ہم انسانی حقوق کی دیگر تنظیموں کے تعاون سے اذیت رسانی کے عالمی دن کے موقع پر پروگرام منعقد کرتے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں کی تذلیل کے مسئلہ کو ختم کیا جائے۔ ہماری سول سوسائٹی کی تمام تنظیموں کی کوشش ہے کہ دوسرے ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی ایسا قانون بنے اور پاکستان ان ممالک کی فہرست میں شامل ہو جہاں پر ایسے واقعات کم ہوتے ہیں۔

جناب کرامت علی ڈائریکٹر پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ نے اس موقع پر اپنی گفتگو میں کہا کہ ہماری ریاست اس مسئلے کو پانچ سال پہلے زیر بحث لائی جبکہ یہ مسئلہ گزشتہ کئی سال پہلے کا ہے۔ ہم کسی اور تشدد کی نہیں بلکہ ریاستی تشدد کی بات کر رہے ہیں۔ تمام ادارے ریاست کے ماتحت ہونے چاہئیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں کیا حالات ہیں۔ گزشتہ پندرہ سال کے بعد سب تک اس قانون کے نفاذ پر کوئی بہتر کام نہیں کیا گیا۔ ریاستیں ڈنڈے کے زور پر عوام کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہتی ہیں جبکہ ہم کہتے ہیں کہ

پاکستان میں ہم نے ایک دور ایسا دیکھا ہے کہ مافیا کے لوگوں میں بھی کوئی شرم وحیا تھی لیکن اب تو پورا کا پورا ملک جنگل بنا ہوا ہے۔ ریاست ٹریڈ یونین کے خلاف ہے، انسانی حقوق کے سرگرم کارکنوں کے خلاف ہے بلکہ ان کو قتل کیا جارہا ہے۔ ایشیاء کے تمام ممالک میں ایسے حالات ہیں اور اذیت رسانی کے اس مسئلے پر کوئی بھی کھلے عام کام نہیں کرسکا۔ اذیت رسانی کے خلاف بولنے اور اس مسئلے کا ادراک کرنے کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ عہدوں کے افسران سے لے کر نچلے طبقے تک ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں تشدد کر رہا ہے۔ ہمیں ایسے معاملات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کو نشاندہی کرنی ہوگی جو ایسے رویے اپناتے ہیں۔ اگر ہم نے خاموشی سے تمام تر حالات برداشت کئے تو یہ تمام انسانوں کی تذلیل ہے۔

یہاں رہنے والا ہر شہری پرعزم ہے اور آزاد ہے اور اسے علم ہے کہ اس کے کیا فرائض ہیں۔ جبکہ ریاست بہتر طور پر اپنی ذمہ داری نہیں نبھا رہی۔ اس صورتحال میں حالات بہتر نہیں ہوں گے۔ 20 کروڑ کی آبادی ہوگئی ہے لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو حکومت کو مانتے ہیں، موجودہ حالات میں عام لوگوں کو حقوق میسر نہیں ہیں۔

پاکستان میں ہم نے ایک دور ایسا دیکھا ہے کہ مافیا کے لوگوں میں بھی کوئی شرم وحیا تھی لیکن اب تو پورا کا پورا ملک جنگل بنا ہوا ہے۔ ریاست ٹریڈ یونین کے خلاف ہے، انسانی حقوق کے سرگرم کارکنوں کے خلاف ہے بلکہ ان کو قتل کیا جارہا ہے۔ ایشیاء کے تمام ممالک میں ایسے حالات ہیں اور اذیت رسانی کے اس مسئلے پر کوئی بھی کھلے عام کام نہیں کرسکا۔ اذیت رسانی کے خلاف بولنے اور اس مسئلے کا ادراک کرنے کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ عہدوں کے افسران سے لے کر نچلے طبقے تک ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں تشدد کر رہا ہے۔ ہمیں ایسے معاملات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اعلیٰ عہدوں کے افسران سے لے کر نچلے طبقے تک ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں تشدد کر رہا ہے۔ ہمیں ایسے معاملات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کو تلاش کرنا ہوگا جو ایسے رویے اپناتے ہیں۔ اگر ہم نے خاموشی سے تمام تر حالات برداشت کئے تو یہ تمام انسانوں کی تذلیل ہے۔

اسد اقبال بٹ وائس چیئر پرسن پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق سندھ چیپٹر نے اپنی گفتگو میں کہا کہ ٹارچر کی تعریف ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ عام شہریوں کے خلاف ریاست کا غیر انسانی رویہ، یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی سرکاری اہلکار کی جانب سے کسی عام شہری کو تشدد کا نشانہ بنانا۔ ہمارے ہاں مختلف سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کو اٹھایا جاتا ہے اور بے جا تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انہوں نے تشدد کے خلاف قانون کا مسودہ بھی بیان کیا اور کنونشن کے آرٹیکل تفصیلی طور پر بیان کئے، اور کہا کہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق حکومت پاکستان سے کئی بار مطالبہ کر چکا ہے لیکن کئی سال گزر جانے کے باوجود اب تک اس قانون کا اطلاق نہیں ہوا اور حکومت اس قانون کے نفاذ میں کوئی بہتر رویہ نہیں اپنا رہی۔ جبکہ اگر حکمرانوں کے مفاد میں کسی قانون کی ضرورت ہو تو اسے فوری طور پر منظور کروالیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگ بے گناہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنا موقف بیان نہیں کر سکتے۔ ہمیں چاہئے کہ ایسے قوانین میں نرمی کے لیے کام کریں۔ دنیا بھر میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی پر تشدد کیا جاتا ہے تو اس تشدد کے بہت سے مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور تشدد کا شکار ہونے والے لوگ نفسیاتی طور پر پسماندہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعمیر نو کے لئے محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومتی ادارے جن کا کام لوگوں کی خدمت کرنا ہے، عوام کو انصاف وتحفظ فراہم کرنا ہے اگر وہ اپنے رویوں میں مثبت تبدیلی نہیں لائیں گے تو حالات اچھے نہیں ہو سکتے اور عام لوگ بھی پھر وہی رویہ اپنائیں گے، ایسے رویوں کو تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ریمانڈ سے پہلے ملزم کا طبی معائنہ اور بعد میں بھی طبی معائنہ ہونا چاہئے۔

سلیمان مجاہد بلوچ ممبر قومی اسمبلی ایم کیو ایم نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے زیادہ اس بات کا گواہ کون ہو سکتا ہے؟ حکومت اور ریاستی سرپرستی میں ہمارے

ساتھ بہت ظلم ہوا ہے۔ کسی بھی ریاست کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ عام شہریوں کو بے جا گرفتار کرے، تشدد کرے اور ہلاک کردے، کراچی میں کالعدم تنظیم اور مافیا کے گروہ ہیں جنہوں نے پورے کراچی کے حالات خراب کئے ہوئے ہیں۔ ایک بار پھر ایم کیو ایم کو دیوار سے لگانے کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے۔ ہمیں کئی بار یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ یہ آپریشن ایم کیو ایم کے خلاف نہیں ہے۔ ایم کیو ایم کے چار کارکنوں کو ماورائے عدالت رکھا گیا ہے۔ ہمارے ہاں پولیس کی سرپرستی میں تھانے میں عام شہریوں پر شدید تشدد کرکے پولیس جو چاہے منوالیتی ہے اور جیلوں میں قید قیدی ہر قسم کا جرم قبول کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ کئی قیدیوں کو تشدد کے بعد ہلاک کردیا جاتا ہے، اور ان کی لاشیں شہر کے کئی دوسرے علاقوں میں پھینک دی جاتی ہیں۔ ایم کیو ایم کے کارکنوں کو جیلوں میں جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ ذہنی تشدد کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے۔ پورے خاندان کو تباہ و برباد کردیا جاتا ہے۔ ان کی تنظیم کے خلاف بہت سے غلط الفاظ بولے جاتے ہیں۔ ان کی پارٹی راہنماؤں کو ان کے سامنے گالیاں دی جاتی ہیں۔ اس طرح نفسیاتی طور پر ان کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ ایم کیو ایم کے علاوہ دیگر سیاسی پارٹیوں اور مذہبی جماعتوں کے لوگوں کا بھی ہے ان کے ساتھ بھی اس قسم کا غیر انسانی سلوک ہو رہا ہے، زیادتیوں کا یہ سلسلہ اب بند ہونا چاہئے۔ منصفانہ ریاست کے قیام کے لیے ہم سب کو مل کر اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ ایسے سیمینارز کے انعقاد کا مقصد یہی ہے کہ ایسی خلاف ورزیوں کو ختم کیا جائے۔ گرفتار افراد کے ساتھ جیلوں میں بہت برا سلوک کیا جاتا ہے۔ سردیوں میں ان کے کپڑے اتار کر برف پر لٹایا جاتا ہے۔ اور ان پر ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا ہے۔ اس طرح کی بہت سی اذیتوں کا قیدیوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ ذہنی طور پر بھی تشدد کے طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں جیلوں کے حالات ایسے ہیں کہ جہاں پر 1900 قیدیوں کی رہنے کی جگہ ہے وہاں پر چھ ہزار قیدیوں کو رکھا گیا ہے۔ ان کے ساتھ جانوروں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ہمارے بہت سے کارکن غائب ہیں۔ اب تک ان کے بارے میں علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں، ہمیں اپنی اعلیٰ عدلیہ سے شکایت ہے کہ ہمارے لاپتہ کارکنان کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا گیا کہ وہ کہاں ہیں، وہ زندہ ہیں یا نہیں، اگر ان کو ہلاک بھی کردیا گیا ہے تو ان کی لاشیں کہاں ہیں۔ ہمارے ساتھ ہر سطح پر دوہرا سلوک کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی ناقابل برداشت رویہ بھی اپنایا جارہا ہے۔ ہم ہر قسم کے تشدد کے خاتمے کی بات کرتے ہیں چاہے وہ گھریلو تشدد ہو یا ریاستی تشدد۔ پاکستانی سماج میں ان تمام مسائل کو زیر بحث لانے کی ضرورت ہے۔

سیمینار میں قاضی احمد جن کا تعلق جمعیت علمائے اسلام سے ہے، نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم بھول چکے ہیں کہ انسانی اقدار کیا ہیں۔ جھوٹ کی شدت اتنی بڑھ چکی ہے کہ ہم معلوم ہی نہیں کرسکتے کہ سچ اور جھوٹ کیا ہے۔ میں بات طارق محمود کے قتل کے حوالے سے کروں گا جو درندگی کی ایک مثال ہے۔ اس مسئلے کو انسانی برابری کی بنیاد پر سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم کس طرف جارہے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے میں کچھ ادارے ایسے ہیں جو تشدد کو اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں، تو پھر قانون نافذ کرنے والے ادارے کیا کام کررہے ہیں، ہمیں سوچ سمجھ کے ساتھ سنجیدہ رویہ اپناتے ہوئے ان اداروں کی بہتری کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ تشدد کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ ایک فرد تشدد کے ذریعے اپنی اجارداری قائم کرنا چاہتا ہے۔ تشدد صرف قانون تھانوں میں ہی نہیں بلکہ ہر جگہ ہوتا ہے۔ تشدد غیر اخلاقی، غیر انسانی اور غیر اسلامی فعل ہے۔ جس کا ادراک بہت ضروری ہے۔ اگر کوئی مجرم ہے تو اس کے خلاف مقدمہ چلایا جائے اور جرم ثابت ہونے پر اس فرد کو سزا دی جائے۔ موجودہ حالات میں جبر کا خاتمہ ہونا چاہئے۔

خورشید عباسی جن کا تعلق پاکستان یونین آف جرنلسٹ سے ہے، نے اپنے خیالات کے اظہار میں کہا کہ ہمارے معاشرے میں تشدد کا رجحان دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے تھانوں میں ملزمان کو الٹا لٹکے ہوئے دیکھا ہے۔ تھانوں میں بہت برے انداز میں غیر اخلاقی و غیر انسانی طور پر تشدد کیا جاتا ہے۔ یہاں پر لوگ عدالتوں میں بھی جاتے ہیں اور عدالتوں سے بھی ان کو انصاف نہیں ملتا۔ پھر عام لوگ تشدد کا راستہ اپناتے ہیں جن کی وجہ سے حالات خراب ہوجاتے ہیں۔ قیدیوں کے ساتھ جیلوں میں بہت برا سلوک کیا جاتا ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ایسی کارروائیوں کو منظر عام پر لاتے ہوئے روکا جائے۔ عام لوگوں کو ایسے رویوں کے خلاف پرجوش انداز میں بات کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں بہت سے لوگ ہیں جن پر تشدد ہوا ہے، ان پر بہت سے الزامات بھی لگائے گئے۔ مقدمات بنائے گئے اور قید بھی برداشت کی، لیکن ہم نے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کیا۔ ہمارے ہاں پولیس پہلے ہی سے مضبوط ہے اور اب تو بہت مضبوط ہوچکی ہے۔ عام طور پر جب پولیس عام شہریوں کو اٹھاتی ہے تو سب سے پہلے بات گالی سے شروع ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں پولیس آتی ہے اور گرفتار کرکے لے جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں مرد ہو یا عورت ان کی گرفتاری کا طریقہ کار بہت برا ہے۔ میں نے تھانوں میں شدید تشدد دیکھا ہے جو کہ انتہائی بے رحمی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور بعد میں جو چاہیں بیان لے لیں۔

حکومت اور ریاستی سرپرستی میں ہمارے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے۔ کسی بھی ریاست کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ عام شہریوں کو گرفتار کرے، تشدد کرے اور ہلاک کردے، کراچی میں کالعدم تنظیم اور مافیا کے گروہ ہیں جنہوں نے پورے کراچی کے حالات خراب کئے ہوئے ہیں۔ ایک بار پھر ایم کیو ایم کو دیوار سے لگانے کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے۔ ہمیں کئی بار یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ یہ آپریشن ایم کیو ایم کے خلاف نہیں ہے۔ ایم کیو ایم کے چار کارکنوں کو ماورائے عدالت رکھا گیا ہے۔ ہمارے ہاں پولیس کی سرپرستی میں تھانے میں عام شہریوں پر شدید تشدد کرکے پولیس جو چاہے منوالیتی ہے اور جیلوں میں قید قیدی ہر قسم کا جرم قبول کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ کئی قیدیوں کو تشدد کے بعد ہلاک کردیا جاتا ہے، اور ان کی لاشیں شہر کے کئی دوسرے علاقوں میں پھینک دی جاتی ہیں۔ ایم کیو ایم کے کارکنوں کو جیلوں میں جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ ذہنی تشدد کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے۔ پورے خاندان کو تباہ و برباد کردیا جاتا ہے۔ ان کی تنظیم کے خلاف بہت سے غلط الفاظ بولے جاتے ہیں۔ ان کی پارٹی راہنماؤں کو ان کے سامنے گالیاں دی جاتی ہیں۔ اس طرح نفسیاتی طور پر ان کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ ایم کیو ایم کے علاوہ دیگر سیاسی پارٹیوں اور مذہبی جماعتوں کے لوگوں کا بھی ہے ان کے ساتھ بھی اس قسم کا غیر انسانی سلوک ہو رہا ہے، زیادتیوں کا یہ سلسلہ اب بند ہونا چاہئے۔ منصفانہ ریاست کے قیام کے لیے ہم سب کو مل کر اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ ایسے سیمینارز کے انعقاد کا مقصد یہی ہے کہ ایسی خلاف ورزیوں کو ختم کیا جائے۔ گرفتار افراد کے ساتھ جیلوں میں بہت برا سلوک کیا جاتا ہے۔ سردیوں میں ان کے کپڑے اتار کر برف پر لٹایا جاتا ہے۔ اور ان پر ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا ہے۔ اس طرح کی بہت سی اذیتوں کا قیدیوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ ذہنی طور پر بھی تشدد کے طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں جیلوں کے حالات ایسے ہیں کہ جہاں پر 1900 قیدیوں کی رہنے کی جگہ ہے وہاں پر چھ ہزار قیدیوں کو رکھا گیا ہے۔ ان کے ساتھ جانوروں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ہمارے بہت سے کارکن غائب ہیں۔ اب تک ان کے بارے میں علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں، ہمیں اپنی اعلیٰ عدلیہ سے شکایت ہے کہ ہمارے لاپتہ کارکنان کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا گیا کہ وہ کہاں ہیں، وہ زندہ ہیں یا نہیں، اگر ان کو ہلاک بھی کردیا گیا ہے تو ان کی لاشیں کہاں ہیں۔ ہمارے ساتھ ہر سطح پر دوہرا سلوک کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی ناقابل برداشت رویہ بھی اپنایا جارہا ہے۔ ہم ہر قسم کے تشدد کے خاتمے کی بات کرتے ہیں چاہے وہ گھریلو تشدد ہو یا ریاستی تشدد۔ پاکستانی سماج میں ان تمام مسائل کو زیر بحث لانے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد سیمینار میں انسانی حقوق کے سرگرم کارکنان نے مختلف مسائل کے متعلق اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سیمینار کے آخر میں جسٹس ماجدہ رضوی چیئرپرسن سندھ ہیومن رائٹس کمیشن نے اپنے خیالات کے اظہار میں کہا کہ تشدد ہر قسم کا ہے۔ ہمارے ہاں بجلی نہیں ملتی، پانی نہیں ملتا جبکہ یہاں پر ایک طبقہ ایسا ہے جن کے پاس سب کچھ ہے۔ ان کے پاس پانی بھی ہے اور بجلی بھی۔ وہ تمام تر بنیادی ضروریات زندگی سے مستفید ہورہے ہیں جبکہ دوسرا طبقہ تمام سہولیات سے محروم ہے۔ آخر دوہرا معیار کیوں ہے جبکہ ہمارا آئین تمام شہریوں کے برابری کے حقوق کی بات کرتا ہے۔ ہم وفاقی یا صوبائی حکومت کی بات نہیں کررہے۔ ہم عوام کے بنیادی حقوق کی فراہمی کی بات کرتے ہیں۔ تشدد کی مختلف اشکال ہیں۔ ہمارے آئین کے آرٹیکل 14 میں ہے کہ تمام قانون نافذ کرنے والے اداروں کو علم ہے کہ کون کیا کررہا ہے۔ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ایسے کیسز کو واضح طور پر سامنے لائیں تاکہ ہم سب مل کر اپنے مسائل کے حل کے لیے کام کریں۔ ہمارے ہاں بہت سے کیسز ایسے بھی ہوتے ہیں کہ معصوم لوگوں کو گرفتار کیا جاتا ہے اور بعد میں رشوت لے کر چھوڑا جاتا ہے۔ اس صورتحال میں ایسے قانون کا نفاذ بہت ضروری ہے۔ ہم بہت جلد اس بل کو پیش کریں گے۔

سیمینار میں انسانی حقوق کے سرگرم کارکنوں، سول سوسائٹی کے نمائندوں، ٹریڈ یونین رہنماؤں، مزدوروں، وکلاء اور صحافیوں سمیت زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے کثیر افراد نے شرکت کی۔ (نامہ نگار)

محض طاقت کے بل بُوتے پر نہیں

آئی۔اے۔رحمٰن

کراچی میں رینجرز کے اختیارات اور شہر میں اس کی موجودگی کی معین مدت کے حوالے سے ہونے والے بحث مباحثہ میں بظاہر اہم ترین مسئلہ کی ایک کڑی غائب ہے اور وہ ہے اس بڑے مرکزی شہر کی جمہوری، مستعد اور کرپشن سے پاک شہری حکومت کی ضرورت۔اس میں دو آراء نہیں ہوسکتیں کہ دہشت گردوں اور جرائم پیشہ گروہوں کے خلاف رینجرز کے دھاوا بولنے کے عمل پر کراچی کے شہریوں خصوصاً صنعتی اور کاروباری برادری نے سکھ کا سانس لیا ہے۔تمام لوگ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ان کارروائیوں کے باعث گلیوں اور سڑکوں پر ہونے والے جرائم اور اغواء برائے تاوان اور بھتہ خوری کے واقعات میں قابل ادراک کمی واقع ہوئی ہے۔لیکن طاقت کے استعمال کی بھی ایک حد ہوتی ہے جس کے ذریعے بڑے شہر میں لاقانونیت کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔یہ کہنا ضروری نہیں کہ اس شہر کو امن وامان کی ضرورت ہے تا کہ شہر کے باسیوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا ملے۔

کراچی کا بڑا مسئلہ ایک طرف تو صوبائی حکومت اور شہری نمائندوں کے درمیان سیاسی اتفاق اور دوسری طرف شہری نمائندوں کے مختلف نسلی گروہوں کے درمیان سیاسی مفاہمت کی ضرورت ہے۔سندھ حکومت کو یہ ادراک کرنا ہوگا، اور یہ جس قدر جلدی ہوسکے اتنا ہی بہتر ہوگا کہ کراچی کے ساتھ کچھ اضلاع کے ملاپ سے وجود میں آنے والے انتظامی یونٹ بنانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے دوسرا انتظامی یونٹ جیسا سمجھ کر مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔اپنے حجم کے اعتبار سے، اپنے ترقی یافتہ انسانی وسائل کے سرمائے، اپنے آپ کو منضبط کرنے کی ہر عیب سے پاک خواہش کے باعث کراچی کو ایک نہایت طاقتور اور اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک مقامی حکومت کی ضرورت ہے جو کارگزاری دکھانے کے لائق اور بے حد دیانت دار بھی ہو۔

شاید کراچی کو میونسپل ایڈمنسٹریشن کے ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جس میں سماجی اور اقتصادی بہتری کے لئے شہریوں کی کوششوں میں انتظامی مداخلت نہ ہونے کے برابر ہو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مقامی حکومت کا ایسا نظام اختیار کیا جائے جس میں یہ ضمانت موجود ہو کہ صوبائی حکومت کے جائز مفادات اور میٹروپولیٹن کی آبادی کے حقوق کے درمیان موافقت اور ہم آہنگی ہوگی۔

کراچی کا ترجیحی مسئلہ ہمیشہ امن اور شانتی کو برقرار رکھنا رہے گا اس لئے کہ لاقانونیت سے صرف اقتصادی سرگرمیاں ہی متاثر نہیں ہوں گی بلکہ اس کی وجہ سے عام لوگوں میں جمہوری طرز حکمرانی کے بارے میں بھی شکوک وشبہات پیدا ہوں گے اور اس تصور کو سخت دھچکا لگے گا۔غیر معمولی بحرانوں سے نمٹنے کے لئے جہاں شہری حکام کو نیم فوجی تنظیم اور فوج کی خدمات ضرور حاصل ہونی چاہئیں وہیں ایک منظم اور متحرک پولیس کی بھی ضرورت ہے جو ان کے زیر تصرف ہونی چاہئے۔اس لئے کہ منظم، متحرک اور عوام کی خدمت کے جذبے سے سرشار پولیس ہی شہریوں کے تحفظ کی نہ صرف ضمانت دے سکتی ہے بلکہ مجرموں کے خلاف موثر قانونی چارہ جوئی بھی کرسکتی ہے۔

رینجرز کو ملنے والے اختیارات سے توقع کی جارہی تھی کہ لوگوں کو اب سکون نصیب ہوگا لیکن یہ بے حد افسوسناک بات ہے کہ ایسا نہیں ہوسکا اور لوگوں کی توقعات پوری نہیں ہوسکیں اس لئے کہ کراچی کی اہم ترین دو مطلوبہ ضرورتیں پوری نہیں ہوسکیں۔ان میں سے ایک ضرورت کراچی کی معاشرت کو اسلحہ سے پاک کرنا جبکہ دوسری ضرورت کا تعلق ایک ایسی شہری پولیس فورس کے قیام سے تھا جو بہیمانہ طاقت کے استعمال کی بجائے ذہانت، خرد اور ٹیکنالوجی پر انحصار کرتے ہوئے صورتحال پر قابو پائے۔کراچی کو اسلحہ سے پاک کرنے کے لئے ہنگامی پروگرام پر عمل درآمد میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔اگر تاخیر کی گئی تو پھر مار دھاڑ کرنے والے مجرموں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے درمیان اسلحہ کی دوڑ شروع ہوجائے گی جس سے عام شہریوں کی زندگیاں اجیرن ہوجائیں گی۔اس کے علاوہ پولیس کی نفری اور تکنیکی آلات کی کمی کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ پولیس کو جدید تربیتی سہولتیں مہیا کرنا ضروری ہے۔

کراچی میں بدنظمی اور انتشار کا ایک پہلو، جس کی طرف شاذ و نادر ہی توجہ دی جاتی ہے، وہ مشکل ہے جس کا سامنا عام شہریوں کو اس وقت کرنا پڑتا ہے جب انہیں کسی کام کو قانون کے مطابق اور مناسب مدت کے دوران کروانا ہوتا ہے۔ بھتہ خوری یہیں سے شروع ہوتی ہے اور بھتہ خوری کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے۔لوگوں کو ایجنٹوں کے بدلتے چہروں کو بھتہ صرف اس لئے دینا پڑتا ہے کہ انتظامیہ شہری سہولیات، پرمٹوں اور لائسنسوں کے لئے جائز مطالبے کو پورا نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ امیر اور غریب کے درمیان بڑھتے ہوئے تفاوت پر توجہ دینی چاہئے۔

اس سے کہیں زیادہ اہم بات حکومتی انصرام میں انصاف اور ایکویٹی سے متعلق ہے جو کراچی کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ایم کیو ایم سے شکوہ شکایت رکھنے والوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ طاقت یا قانونی چالوں کے ذریعے ایم کیو ایم کو ختم کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ایم کیو ایم کے خلاف حالیہ جارحانہ مہم اس کے خاتمے پر منتج نہیں ہوگی۔ بلکہ اس سے تنظیم کے اندر موجود ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کا عمل رک جائے گا۔ایم کیو ایم کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی پاکبازی کے منبر سے نیچے اتر آئے اور شہر پر اپنی قوت کی اجارہ داری کے دعوے سے دستبردار ہوجائے۔ برسوں سے آبادی کے اعداد وشمار میں آنے والی تبدیلیوں کی روشنی میں حکومتی شراکت کے نئے انداز اور طریقے اختیار کرنے کے علاوہ انتخابی نتائج کی ایماندارانہ تقسیم پر رضامندی کا اظہار کرنا پڑے گا۔اس مقصد کے لئے لوگوں کے مختلف حلقوں اور گروہوں کے رہنماؤں کو ایک میز پر بیٹھنا چاہئے اور اپنے شکوؤں اور شکائیتوں کے جواب تلاش کرنے چاہئیں۔ یہ شکوے اور شکائتیں چاہے گوٹھوں پر زبردستی قبضے کرنے سے متعلق ہوں یا ان کا تعلق انتخابی علاقوں (مقامی حکومتوں سے لے کر قومی سطح کے انتخابات تک) کی حلقہ بندیوں سے ہو، علاقوں کو ممنوعہ علاقہ قرار دینے سے متعلق ہوں یا عقیدے، نسل اور زبان کے امتیاز کے حوالے سے ہوں، ان کا جواب مل بیٹھ کر تلاش کرنا ہوگا۔

کراچی میں بدنظمی اور انتشار کا ایک پہلو، جس کی طرف شاذ ونادر ہی توجہ دی جاتی ہے، وہ مشکل ہے جس کا سامنا عام شہریوں کو اس وقت کرنا پڑتا ہے جب انہیں کسی کام کو قانون کے مطابق اور مناسب مدت کے دوران کروانا ہوتا ہے۔ بھتہ خوری یہیں سے شروع ہوتی ہے اور بھتہ خوری کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے۔لوگوں کو ایجنٹوں کے بدلتے چہروں کو بھتہ صرف اس لئے دینا پڑتا ہے کہ انتظامیہ شہری سہولیات، پرمٹوں اور لائسنسوں کے لئے جائز مطالبے کو پورا نہیں کرسکتی۔اس کے علاوہ امیر اور غریب کے درمیان بڑھتے ہوئے تفاوت پر توجہ دینی چاہئے۔ جائیدادوں کے بڑے کاروباریوں کے درمیان مقابلہ رسوا کن تناسب اختیار کرچکا ہے۔یہ لوگ زمینوں کے بڑے بڑے قطعات ہضم کررہے ہیں اور نو دولتیوں کو رجھا اور لبھا رہے ہیں کہ وہ اپنی عیاشی کے معیار کو مزید بڑھائیں۔اس کے باعث محروم طبقات کے لوگوں کے لئے رہنے کی جگہ تیزی کے ساتھ کم ہوتی رہی ہے۔بلند عمارتوں کی نسبت جھونپڑ پٹیوں کی تعداد کہیں تیزی کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔جب تک کراچی شہر اپنے حواس، نظم وضبط اور شہری منصوبہ بندی کی ایکویٹی میں واپس نہیں آجاتا یہ شہر جرائم اور تشدد کی بہترین کیاری بنا رہے گا جو کم ہونے کی بجائے، وسعت اختیار کرتی چلی جائے گی۔

یہ سیاسی تصفیے کا وقت ہے۔کراچی کے تمام سیاسی اور سماجی مسائل کے لئے رینجرز کو قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور نہ ہی ان تمام مسائل کا حل رینجرز کے پاس ہے۔یہ معاملات ان کے دائرہ کار میں نہیں آتے اور نہ ہی اس حوالے سے ان کی تربیت ہوئی ہے۔نہ ہی ان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ہمیشہ میگا سٹی کے معاملات کو دیکھ سکیں گے۔اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ اگر انہیں زیادہ عرصے کے لئے کراچی کے حالات ٹھیک کرنے کی ذمہ داری دی گئی تو رینجرز کی ساکھ، صلاحیت بلکہ دیانتداری پر بھی حرف آنے کا خدشہ ہوگا۔

عام فہم مقولہ یہ ہے کہ ان کاموں کے لئے جو شہریوں کے لئے مخصوص ہیں یا ان کاموں کے لئے جن کا تعلق عوام کے ساتھ ہے، نیم فوجی یا فوجی تنظیموں کی تعیناتی ان تنظیموں کی صلاحیتوں اور کام کے ساتھ ان کی دیانتداری کے لئے خطرناک ہوتی ہے اور دنیا میں کسی بھی جگہ یہ بات غلط ثابت نہیں ہوئی۔بدقسمتی سے پاکستان میں آخری بار اس اصول پر ایوب خان نے دھیان دیا جب انہوں نے اپنی فوجی بغاوت کی کامیابی کے چند ہی ماہ بعد فوجی افسروں کو سویلین فرائض کی ادائیگی سے واپس بلالیا تھا۔

اس پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ فوجی قیادتیں ان خطرات سے واقف نہیں ہوتیں جو شہری اصطبلوں کی صفائی کرنے کے پیغام پر آمنا وصدقنا کہنے کے نتیجے میں درپیش ہوتے ہیں۔انہیں ریاست کی شہری انتظامیہ پر صاف گوئی کے ساتھ واضح کردینا چاہئے کہ وہ اپنی صلیب خود اٹھا کر چلنا سیکھے۔زیادہ سے زیادہ شہری ذمہ داریوں کی دعوت کی مزاحمت کرنے میں فوج کی صلاحیت بڑھنے سے ہی یہ امید کی جاسکتی ہے کہ پاکستان صحیح معنوں میں منظم ریاست بن جائے گا۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

ملک بھر میں سیلاب کی صورتحال

متاثرینِ سیلاب کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ

پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے ادارے کا کہنا ہے کہ ملک بھر میں سیلاب اور بارشوں سے ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد 69 تک پہنچ گئی ہے۔

این ڈی ایم اے کی جانب سے 27 جولائی کو جاری کردہ اعداد وشمار کے مطابق صوبہ پنجاب اور سندھ میں سیلاب متاثرین کی تعداد تین لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

ادھر صوبہ خیبر پختونخوا میں آفت زدہ قرار دیے جانے والے پہاڑی ضلع چترال کی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ صرف اسی ضلع میں متاثرین کی تعداد اڑھائی لاکھ ہے۔

چترال میں موجود بی بی سی کے نامہ نگار عزیز اللہ خان کے مطابق ضلع چترال میں 26 اور 27 جولائی کی درمیانی شب مزید دو افراد سیلابی ریلے میں بہہ کر ہلاک ہوئے اور یوں ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد 34 تک پہنچ گئی ہے۔

این ڈی ایم اے کی جانب سے جو اعداد وشمار جاری کیے گئے ہیں ان کے مطابق خیبر پختونخوا میں سیلاب سے 34، پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر میں 15، پنجاب میں آٹھ، بلوچستان میں سات اور گلگت بلتستان میں پانچ افراد ہلاک ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ زخمی ہونے والے افراد کی تعداد 36 بتائی گئی ہے۔

قدرتی آفات سے نمٹنے کے ادارے کا یہ بھی کہنا ہے کہ سیلاب سے متاثرہ دیہات کی تعداد 635 ہے جہاں 1855 مکانات متاثر ہوئے ہیں۔

ادھر صوبہ خیبر پختونخوا کے پہاڑی ضلع چترال میں پانچ دن پہلے ہونے والی طوفانی بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے کئی علاقوں کا ملک کے دیگر شہروں سے زمینی رابطہ بدستور منقطع ہے جس سے کئی مقامات پر خوراک کی قلت پیدا ہو رہی ہے۔

نامہ نگار عزیز اللہ خان کے مطابق چترال میں بارشوں کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور بعض مقامات پر سیلاب کی وارننگ کے لیے سائرن بھی بجائے گئے ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ چترال سے دور افغانستان کی سرحد کے قریب تحصیل تورکو کے علاقے یروچ میں سیلاب میں دو افراد ڈوب گئے جن میں سے ایک کی لاش نکال لی گئی ہے۔

اس کے علاوہ چار ایسے پل بھی پانی میں بہہ گئے ہیں جن پر صرف جیپ پر سفر کیا جا سکتا تھا۔

مقامی انتظامیہ کے مطابق سب ڈویژن مستوج میں سیلابی ریلے میں مقامی سطح پر قائم سات چھوٹے بجلی گھر بہہ گئے ہیں۔

نامہ نگار کے مطابق چترال شہر کا رابطہ اب تک اپر چترال سے منقطع ہے جس کی وجہ سے متاثرہ علاقوں میں تمام افراد کو امدادی اشیاء مکمل طور پر فراہم نہیں جا رہیں۔

چترال سے مستوج جانے والے راستے پر فوج کے ذیلی ادارے ایف ڈبلیو او کے اہلکار کام میں مصروف ہیں تاکہ اس راستے کو رویشن تک جلد از جلد بحال کر دیا جائے۔

چترال سے گرم چشمہ جانے والے روڈ پر شالی کے مقام پر سیلاب میں مکانات، دکانیں اور مسجد بہہ گئی اور اب وہاں صرف ان کے کچھ نشان باقی ہیں۔

> فوج کے تعلقات عامہ کے محکمہ آئی ایس پی آر کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اب تک سات ٹن سے زیادہ راشن تقسیم کیا جا چکا ہے جبکہ سیلاب میں پھنسے سیاحوں سمیت **98** افراد کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا گیا ہے۔

اس مقام پر اپنے مکان سے ملبہ نکالتے کچھ افراد نے بتایا کہ حکومت نے اب تک ان کی مدد نہیں کی۔

عبدالاحد نامی نوجوان نے بی بی سی اردو کو بتایا کہ ان کے خاندان کے بارہ افراد ہیں اور پہلی مرتبہ جب سیلاب آیا تو انھوں نے پہاڑ کے اوپر سے اپنے گھر کو ڈوبتے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے۔

انھوں نے کہا کہ گھر پر تین مرتبہ سیلاب آیا لیکن پہلے ریلے میں ہی چار کمرے بہہ گئے تھے، اب وہاں میدان ہے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت نے ان کی کوئی مدد نہیں کی۔

چترال سے منتخب رکن قومی اسمبلی شہزادہ افتخار الدین نے ان دنوں مختلف علاقوں کے دورے کیے ہیں اور ان کا کہنا تھا کہ چترال کی حالیہ تاریخ میں یہ سب سے بڑی تباہی ہے جہاں سیلاب سب کچھ بہا کر لے گیا ہے۔

انھوں نے بین الاقوامی امدادی اداروں سے اپیل کی ہے کہ وہ چترال کی تباہی کو دیکھتے ہوئے علاقے کی مدد کریں۔

میاں افتخار الدین نے کہا کہ آرمی کے دو ہیلی کاپٹروں میں سے ایک کو مرمت کے لیے گراؤنڈ کر دیا گیا ہے جبکہ صرف ایک ہیلی کاپٹر سے اتنی بڑی آبادی تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ انھوں نے وفاقی اور صوبائی حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہ این ڈی ایم اے اور پی ڈی ایم اے کے پاس موجود ہیلی کاپٹر بھی چترال بھیجیں۔

فوج کے تعلقات عامہ کے محکمہ آئی ایس پی آر کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اب تک سات ٹن سے زیادہ راشن تقسیم کیا جا چکا ہے جبکہ سیلاب میں پھنسے سیاحوں سمیت 98 افراد کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا گیا ہے۔

پنجاب کے کئی اضلاع سیلاب سے متاثر

پاکستان کے سرکاری ذرائع ابلاغ کے مطابق حالیہ سیلاب سے صوبہ پنجاب کے اضلاع لیہ اور کوٹ ادو کے تقریباً ایک سو گاؤں متاثر ہوئے ہیں۔

سرکاری ریڈیو کے مطابق بارشوں سے متاثرہ اضلاع لیہ، ڈیرہ غازی خان، راجن پور اور مظفر گڑھ میں انتظامیہ نے ان علاقوں کے لوگوں کو محفوظ مقامات پر منتقل ہونے کی وارننگ جاری کی ہے۔

دریائے سندھ سے آنے والا ایک بڑا سیلابی ریلہ آئندہ تین سے چار روز کے دوران ان علاقوں سے گزرے گا۔

سرکاری ریڈیو کے مطابق پنجاب کے وزیر اعلیٰ محمد شہباز شریف نے صوبے میں کسی بھی ممکنہ سیلابی صورتحال سے نمٹنے کے لیے ضروری اقدامات کرنے کی ہدایت کی ہے۔

دوسری جانب وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے بھی دریائے سندھ کے کچے کے علاقے سے لوگوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کرنے کی ہدایات جاری کی ہیں۔

انھوں نے سیلاب کی صورتحال کی نگرانی کے لیے سندھ سیکریٹریٹ کراچی میں بھی ایک کنٹرول روم قائم کرنے کی ہدایت کی ہے۔

ریڈیو پاکستان کے مطابق لیہ میں موبائل ریلیف آپریشن کے تحت کشتیوں کے ذریعے سیلاب سے متاثرہ 82 علاقوں میں امدادی اشیاء تقسیم کی گئیں ہیں۔ لیہ کی ضلعی حکومت کے ترجمان کا کنا ہے کہنا ہے کہ تیس طبی کیمپوں میں متاثرین کو

علاج کی سہولیات فراہم کی جارہی ہیں۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

چترال پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا کے پہاڑی ضلع چترال میں ہونے والی طوفانی بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے کئی علاقوں کا ملک کے دیگر شہروں سے زمینی رابطہ بدستور منقطع ہے جس سے کئی مقامات پر خوراک کی قلت پیدا ہورہی ہے۔

چترال سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق مون سون بارشوں کی وجہ سے ضلع کی بیشتر وادیوں میں سیلابی ریلے آئے تھے جس کی وجہ سے گرم چشمہ، وادی کیلاش، بمبورت، رمبور، کریم آباد، حسن آباد اور تحصیل مستوج کے علاقوں میں بڑے پیمانے پر سڑکیں، رابطہ پل، مکانات اور دکانیں پانی میں بہہ گئے تھے۔

عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ چترال سے پشاور کی مرکزی شاہراہ پر واقع پل بھی سیلابی پانی کے نذر ہوگیا تھا تاہم مقامی انتظامیہ کی کوششوں سے مرکزی شاہراہ پر اب ٹریفک بحال کردی گئی ہے۔

چترال کے مقامی صحافی گل حماد فاروقی نے بتایا کہ کئی وادیوں سے زمینی راستے گزشتہ پانچ دنوں سے بدستور منقطع ہیں جس سے بیشتر علاقوں میں کھانے پینے کی اشیاء کی قلت

چترال سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق مون سون بارشوں کی وجہ سے ضلع کی بیشتر وادیوں میں سیلابی ریلے آئے تھے جس کی وجہ سے گرم چشمہ، وادی کیلاش، بمبورت، رمبور، کریم آباد، حسن آباد اور تحصیل مستوج کے علاقوں میں بڑے پیمانے پر سڑکیں، رابطہ پل، مکانات اور دکانیں پانی میں بہہ گئے تھے۔

پیدا ہورہی ہے۔

انھوں نے کہا کہ آج پہلی دفعہ فوجی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے متاثرہ علاقوں میں کھانے پینے کی اشیاء پہنچائی گئی ہیں، تاہم اب بھی ایسے علاقے موجود ہیں جہاں امداد نہیں پہنچی۔

ان کے مطابق مقامی انتظامیہ کی جانب سے سڑکوں اور پلوں کی بحالی کے لیے تاحال امدادی کاموں کا آغاز نہیں کیا جاسکا ہے جس سے شہریوں کی مشکلات میں اضافہ ہورہا ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ سیلابی ریلوں کی وجہ سے اب تک 40 سے زائد مکانات، 100 کے قریب دوکانیں، مساجد اور دیگر عبادت خانے تباہ ہوچکے ہیں جبکہ تین افراد بھی ہلاک ہوئے ہیں۔

مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ چترال اور آس پاس کے علاقوں میں گزشتہ پانچ دنوں سے بجلی کی ترسیل معطل ہے جبکہ پینے کے پانی کی قلت بھی پیدا ہوگئی ہے۔

گل حماد فاروقی نے بتایا کہ چترال زیادہ تر پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے سیلاب سے متاثرہ سڑکوں اور پلوں کی بحالی میں کئی ماہ لگ سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں مقامی انتظامیہ کا موقف معلوم کرنے کیلیے ڈپٹی کمشنر سے کئی بار رابطے کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوسکی۔

دریں اثناء وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا پرویز خٹک نے چترال میں مون سون بارشوں سے متاثر ہونے والی سڑکوں اور پلوں کی فوری بحالی کی ہدایت کی ہے اور امدادی کاموں کیلیے دس لاکھ روپے کا فنڈ جاری کردیا ہے۔ (نامہ نگار)

کراچی کراچی کے علاقے گڈاپ ٹاؤن میں واقع لٹھ ڈیم میں شگاف پڑنے سے اطراف کی آبادیوں کے زیرآب آنے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

ڈیم میں شگاف بارشوں کے باعث پانی کی سطح بڑھنے کے سبب پیدا ہوا۔

علاقہ مکینوں کا کہنا ہے کہ ڈیم میں شگاف کی صورت میں گلستان جوہر، صفورہ چورنگی کے اطراف کے علاقے خصوصاً سن لے کا ٹیچز سمیت کئی علاقے پانی میں ڈوب جائیں گے۔

اس سلسلے میں ابھی تک حکومت کی جانب سے کوئی اقدامات نہیں کیے گئے لیکن اسسٹنٹ کمشنر گڈاپ کا دعویٰ ہے کہ حکومت لٹھ ڈیم میں پانی کی سطح پر نظر رکھی ہوئے ہے جب کہ نالوں کی صفائی کروادی گئی ہے اور کسی بھی قسم کے خطرے سے نمٹنے کے انتظامات مکمل ہیں۔ (نامہ نگار)

پشاور صوبہ پنجاب میں سیلاب کا جدید وارننگ نظام موجود ہے لیکن خیبر پختونخوا میں اس نظام کا کوئی وجود نہیں۔ پاکستان میں گذشتہ تقریباً پانچ سالوں سے آنے والے سیلاب اور دیگر قدرتی آفات کی تباہ کاریوں کا سلسلہ ہر سال مسلسل بڑھتا جارہا ہے تاہم حکومت کی جانب سے موثر منصوبہ بندی کے فقدان اور روک تھام کا جدید نظام نہ ہونے کی وجہ سے ان آفات کے نقصانات کو کم نہیں کیا جاسکا۔

رواں برس بھی ملک کے دو صوبے خیبر پختونخوا اور پنجاب سیلاب کی زد میں ہیں اور اب تک ان علاقوں میں بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصان ہوچکا ہے جبکہ مزید بارشوں اور سیلاب کے خطرات بھی موجود ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ موثر منصوبہ بندی اور مربوط نظام کے فقدان کے باعث نہ صرف ہر سال سیلاب اور دیگر قدرتی آفات آتی ہیں بلکہ اس کے نتیجے میں ہونے والے بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصانات کو بھی کم نہیں کیا جاسکا۔

پشاور یونیورسٹی میں سینٹر فار ڈیزاسسٹر پریپیرنس اینڈ مینجمنٹ کے ڈائریکٹر اور حیاتیاتی سائنس کے شعبے کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر امیر نواز خان نے بی بی سی کو بتایا کہ پاکستان میں ہر سال لوگ قدرتی آفات کا نشانہ بنتے ہیں اور بڑا واویلا بھی کیا جاتا ہے لیکن جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو اس کے بعد پھر سے ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے۔

انھوں نے کہا کہ 'قدرتی آفات آنے کے بعد حکومت ہر سال بحالی اور تعمیر نو پر بڑی رقم خرچ کرتی ہے لیکن اگر اس رقم کا آدھا حصہ بھی پہلے خرچ کر کے مسائل کی روک تھام پر توجہ دی جائے تو کافی حد تک نقصانات کو کم کیا جاسکتا ہے۔'

دریا سندھ سے نکلنے والے مشرقی معاون دریاؤں راوی، چناب اور دیگر چھوٹے بڑے دریاؤں میں جب سیلاب کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کے روک تھام کے لیے پہلے سے انتظام اور منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔

ان کے مطابق صوبہ پنجاب میں سیلاب کا جدید وارننگ نظام موجود ہے جس سے بارشوں اور سیلاب کا پہلے سے پتہ چل جاتا ہے لیکن خیبر پختونخوا میں اس نظام کا کوئی وجود نہیں۔

ان کے بقول دریائے سندھ سے نکلنے والے مشرقی معاون دریاؤں راوی، چناب اور دیگر چھوٹے بڑے دریاؤں میں جب سیلاب کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کی روک تھام کے لیے پہلے سے انتظام اور منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔

پروفیسر امیر نواز خان نے کہا کہ مالاکنڈ ڈویژن 'فلیش فلڈ' کے ضمن میں انتہائی حساس علاقہ سمجھا جاتا ہے لیکن یہاں سیلاب اور بارشوں کی شدت پہلے سے معلوم کرنے کے لیے کوئی ریڈار سسٹم موجود نہیں جس سے اکثر اوقات نقصانات ہوتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ لوگ ان علاقوں میں لوگ گھر بنا رہے ہیں جہاں دریا بہتے ہیں یعنی دریاؤں پر قبضہ کیا جارہا ہے اور ظاہر ہے جب تیز بارشیں ہونگی تو پھر ایسے گھر تو نہیں بچیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر امیر نواز خان کے مطابق پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے جو ادارے قائم ہیں وہاں پیشہ ور ماہرین کی بھی شدید کمی پائی جاتی ہے جس سے مسائل پر قابو پانے کیلیے مربوط منصوبہ بندی نہیں ہورہی۔

'یہ تمام آفات انسان کی پیدا کردہ ہیں، اگر ہم جنگلات کو

ختم نہیں کرینگے، دریاؤں پر قبضہ نہیں کرینگے، پانی کو ذخیرہ کرنے کیلیے مناسب انتظام کریں گے اور مستقبل کی بہتر منصوبہ بندی کریں گے تو ایسی صورتحال میں پھر ہر قدرتی آفت سے آسانی سے نمٹا جاسکتا ہے۔'

انھوں نے کہا کہ اس ضمن میں حکومت کو فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے ورنہ ہر سال یہ نقصانات بڑھتے جائیں گے کم نہیں ہونگے۔

خیال رہے کہ پاکستان گزشتہ تقریباً ایک دہائی سے قدرتی آفات کی زد میں رہا ہے۔ ملک میں سنہ 2005 میں آنے والے تباہ کن زلزلے کی وجہ سے تقریباً 90 ہزار کے قریب افراد ہلاک ہوگئے تھے۔

اس کے علاوہ سنہ 2010 ، 2011، 2012 اور 2013 میں آنے والے ملکی تاریخ کے تباہ کن سیلاب کی وجہ سے بھی بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی جس میں سینکڑوں افراد ہلاک اور بنیادی ڈھانچے کو اربوں روپے کا نقصان ہوا۔

متاثرین کی اب تک کوئی خاطر خواہ مدد نہیں کی جاسکی ہے۔ اگر صورتحال یہی رہی تو متاثرہ جگہوں پر بیماریاں پھیل سکتی ہیں جس سے انسانی جانوں کے ضیاع کا بھی خدشہ ہے۔ سب ڈویژن روندو میں ستک سمیت پانچ مقامات پر سیلابی ریلے نے تباہی مچادی ہے جس سے کھڑی فصلیں، سینکڑوں کنال اراضی اور مکانات کو نقصان پہنچا ہے۔ کئی دنوں سے ان علاقوں میں سڑکیں مکمل بند ہیں جس سے اشیاء خوردنوش کی شدید قلت پیدا ہوگئی ہے۔ دوسری جانب ضلع گانچھے میں بھی سیلاب نے تباہی پھیلائی ہے۔ تلیس گاؤں میں سیلاب نے باپ بیٹے کی جان لے لی، **18** مکانات تباہ ہوگئے جبکہ **46** مکانات کو جزوی نقصان پہنچا ہے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

سکردو بارشوں کے باعث لینڈ سلائیڈنگ اور سیلاب نے بلتستان ڈویژن میں تباہی مچادی ہے۔ 60 سے زائد دیہات شدید متاثر ہوئے ہیں۔ گلگت بلتستان میں وزیراعلیٰ نے ایمرجنسی نافذ کرکے تمام سرکاری ملازمین کی چھٹیاں منسوخ کردی ہیں۔ بلتستان ڈویژن کے دونوں اضلاع سکردو اور گانچھے میں مجموعی طور پر درجنوں مکانات، 16 مساجد، 7 سرکاری سکول، 9 پن بجلی گھر، 10 ہزار کنال اراضی، کھڑی فصلیں اور پھل دار درخت دریا برد ہوئے ہیں۔ 10 رابطہ پل اور تیس کلومیٹر سڑکیں بھی تباہ ہونے سے 75 دیہات کے زمینی رابطے منقطع ہوگئے ہیں۔ پاک آرمی نے ریسکیو آپریشن شروع کردیا ہے۔ شگروز یرپور میں گلیشئر سے بننے والی جھیل ٹوٹنے سے متاثر ہونے والی آبادی کو محفوظ مقامات پر منتقل کردیا ہے۔ 150 سے زائد فوجی جوانوں نے متاثرین میں راشن، پانی کی بوتلیں، ٹینٹ اور کمبل تقسیم کئے۔ ریسکیو آپریشن کی نگرانی بریگیڈئر احسان محمود 62 بریگیڈ سکردو کررہے ہیں۔ نرغوڑو میں 74 متاثرہ خاندانوں کو ٹینٹ فراہم کرکے نرتھنگ میں منتقل کیا گیا ہے جہاں پر ان کے لئے کھانے پینے کا سامان اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کی گئی ہیں تاہم متاثرین کی اب تک کوئی خاطر خواہ مدد نہیں کی جاسکی ہے۔ اگر صورتحال یہی رہی تو متاثرہ جگہوں پر بیماریاں پھیل سکتی ہیں جس سے انسانی جانوں کے ضیاع کا بھی خدشہ ہے۔ سب ڈویژن روندو میں ستک سمیت پانچ مقامات پر سیلابی ریلے نے تباہی مچادی ہے جس سے کھڑی فصلیں، سینکڑوں کنال اراضی اور مکانات کو نقصان پہنچا ہے۔ کئی دنوں سے ان علاقوں میں سڑکیں مکمل بند ہیں جس سے اشیاء خوردنوش کی شدید قلت پیدا ہوگئی ہے۔ دوسری جانب ضلع گانچھے میں بھی سیلاب نے تباہی پھیلائی ہے۔ تلیس گاؤں میں سیلاب نے باپ بیٹے کی جان لے لی، 18 مکانات تباہ ہوگئے جبکہ 46 مکانات کو جزوی نقصان پہنچا ہے۔ 42 بڑے واٹر چینل مکمل تباہ ہوگئے ہیں جبکہ 110 چھوٹے واٹر چینلز کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ 7 رابطہ پل بھی پانی کی نظر ہوگئے ہیں۔ گانچھے ضلع میں تھلے، ہوشے، چھوبٹ، لونگھا، ڈاؤ، حسن آباد، بلغار، کھرکو، ڈغونی، سمیت کئی علاقے زیر آب آگئے ہیں جس کی وجہ سے سینکڑوں خاندان بے گھر ہوگئے ہیں اور کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

ضلع گانچھے کے 90 فیصد علاقوں میں بجلی مکمل بند ہے جبکہ پینے کے صاف پانی کی بھی شدید قلت پائی جاتی ہے۔ ڈپٹی کمشنر گانچھے ریسکو آپریشن کی نگرانی کررہے ہیں اور کئی علاقوں میں رابطہ سڑکیں کھولنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ بلغار ٹربہ تھنگ میں قبرستان سیلاب کے کٹاؤ میں آنے کے باعث انسانی اعضاء کو پانی بہا کرلے گیا ہے جبکہ باقی ملنے والے اعضا کو مختلف جگہوں پر دفنایا جارہا ہے۔ اس تمام صورتحال کے باوجود صوبائی حکومت کی جانب سے اب تک کوئی خاطر خواہ کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی ہے۔ مختلف متعلقہ اداروں کے سربراہان اور عملہ متعلقہ جگہوں سے غائب ہیں۔ رابطہ کٹنے والے دیہاتوں میں پینے کے صاف پانی کی کمی کے باعث صورتحال سنگین ہوگئی ہے۔ ان علاقوں میں ڈائریا اور ہیضہ پھیلنے کی بھی اطلاعات موصول ہورہی ہیں۔ دونوں اضلاع کی ضلعی انتظامیہ نے صورتحال قابو سے باہر ہونے پر پاک فوج سے مدد کی اپیل کی ہے۔

(وزیر مظفر حسین)

ضلع گانچھے کے **90** فیصد علاقوں میں بجلی مکمل بند ہے جبکہ پینے کے صاف پانی کی بھی شدید قلت پائی جاتی ہے۔ انتظامیہ کئی علاقوں میں رابطہ سڑکیں کھولنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ بلغار ٹربہ تھنگ میں قبرستان سیلاب کے کٹاؤ میں آنے کے باعث انسانی اعضاء کو پانی بہا کرلے گیا ہے جبکہ باقی ملنے والے اعضا کو مختلف جگہوں پر دفنایا جارہا ہے۔

مزید بارشوں کا امکان

پاکستان میں ابھی مزید بارشوں اور سیلاب کے امکان کو رد نہیں کیا گیا ہے۔ پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے ادارے کی جانب سے جاری کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر میں سیلاب اور بارشوں کے نتیجے میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد 81 ہوگئی ہے۔

این ڈی ایم اے کے مطابق حالیہ بارشوں اور سیلاب سے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے ساتھ ساتھ ملک کے دیگر چاروں صوبے بھی متاثر ہوئے ہیں۔ ادارے کی جانب سے جاری کی گئی معلومات کے مطابق بارشوں اور سیلاب سے اب تک بلوچستان میں آٹھ، خیبر پختونخواہ میں 38 ، پنجاب میں 11، کشمیر میں 19 اور گلگت بلتستان میں پانچ ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ زخمی ہونے والے افراد کی تعداد 45 بتائی گئی ہے۔

قدرتی آفات سے نمٹنے کے ادارے این ڈی ایم اے کا یہ بھی کہنا ہے کہ پاکستان بھر میں سیلاب سے متاثرہ دیہاتوں کی تعداد 3793 ہے جبکہ 1921 مکانات متاثر ہوئے ہیں۔

این ڈی ایم اے کا کہنا ہے کہ پاکستان میں لاکھوں لوگ بارشوں اور سیلاب سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں۔

پاکستان میں ابھی مزید بارشوں اور سیلاب کے امکان کو رد نہیں کیا گیا ہے اور گذشتہ روز ہی این ڈی ایم اے نے صوبوں کے متعلقہ اداروں کو دریائے سندھ میں سیلاب کے خطرے اور ملک بھر میں مزید بارشوں کے حوالے سے خبردار کیا تھا۔

ادھر سرکاری ریڈیو کے مطابق پاکستان بھر میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں سول انتظامیہ اور فوج کی جانب سے امدادی کارروائیاں جاری ہیں۔

ستم زدہ شیڈولڈ ذاتیں

آئی۔ اے۔ رحمٰن

سندھ سے تعلق رکھنے والی کسی شیڈولڈ ذات کے رکن سے گفتگو کرنے کا مطلب ایسے مصیبت زدہ فرد سے بات کرنا ہے جس کے غم کی داستان کسی بھی باشعور پاکستانی کے دل کو شرم اور دکھ کے جذبات سے بھر دے گی۔

نوآبادیاتی دور میں اچھوت برادریوں کو دی گئی گروہی شناخت (شیڈولڈ ذاتیں) بدقسمتی سے پاکستان میں زندہ رہی اگرچہ انہیں وہ رعایتیں حاصل نہیں ہیں جن کا ذکر آکسفورڈ ڈکشنری میں کیا گیا ہے۔ انڈیا میں اب وہ خود کو دلت کے نام سے پکارتے ہیں اور پاکستان کو بھی انہیں ایک غیر توہین آمیز خطاب دینا چاہئے، کیونکہ یہ محروم برادریاں چاہتی ہیں کہ انہیں ایک خاص طبقہ سمجھا جائے اور ان کی ترقی کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں۔

کوہلی، بھیل یا میگھواڑ خاندانوں سے تعلق رکھنے والے وہ افراد جنہوں نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد خود کو اساتذہ، وکلاء یا سماجی کارکنوں کے طور پر منوایا ہے، وہ سکول میں اپنے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک کو یاد کرتے ہیں۔ انہیں اگلی نشستوں پر بیٹھنے اور ایک ہی گلاس میں پانی پینے سے روک کر ان کے اچھوت ہونے کا احساس دلایا جاتا۔ جو بات ان کے لیے مسلسل تکلیف کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ ایسا امتیازی سلوک ماضی کی بات نہیں ہے۔ عوامی وسائل سے چلنے والے اداروں میں آج بھی کم عمر بچے اس کا نشانہ بنتے ہیں۔

لیکن ان کے ذہنوں کو اس سے بھی زیادہ شدید محرومیوں نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے اور یہ فہرست انہیں اپنے معاملات چلانے کی اجازت نہ دینے سے شروع ہوتی ہے۔

شیڈولڈ ذاتیں سندھ کی آبادی کا 80 فیصد ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں اور یہ الزام عائد کرتی ہیں کہ کسی بھی مردم شماری میں ان کی تعداد کا صحیح طور پر تخمینہ نہیں لگایا گیا۔ سرکاری ملازمتوں میں حصہ نہ ملنے پر ان کی تشویش بڑھتی جارہی ہے۔ انہوں نے وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں میں مذہبی اقلیتوں کے لیے مخصوص نشستوں کو سیاسی جماعتوں کی نامزدگیوں کے ذریعے پُر کرنے کے نظام کو بھی مسترد کر دیا ہے۔

ان کے مطابق اس بنیاد پر منتخب ہونے والے افراد اپنی برادریوں کا خیال رکھنے کی نسبت اپنے سرپرستوں کی آؤ بھگت کرنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہ تمام لوگ جداگانہ انتخاب کی بحالی کی حمایت تو نہیں کرتے لیکن وہ یہ چاہتے ہیں کہ انہیں تمام منتخب اداروں میں ان کی تعداد کے تناسب سے اور بالواسطہ انتخاب کے ذریعے نمائندگی دی جائے۔

انہیں ان مسلمانوں سے بھی شکایات ہیں جو عام نشستوں پر منتخب ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مخلوط انتخابات کی بحالی کے بعد عام نشستوں پر انتخاب لڑنے والے مسلمان امیدواروں نے شیڈولڈ ذاتوں سے رابطے شروع کیے لیکن منتخب ہونے کے بعد انہوں نے ان پر کوئی توجہ نہ دی۔ ان میں سے زیادہ تر یہ کہہ کر شیڈولڈ ذاتوں کی ذمہ داری لینے سے انکار کرتے ہیں کہ انہیں ملنے والے ووٹوں میں شیڈولڈ ذاتوں کا حصہ بہت کم ہے۔ ایک زیادہ بے باک قانون ساز کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے اپنی نشستیں اپنے روپے کی مدد سے جیتی تھیں چنانچہ وہ نہ تو خود کو اس حلقہ انتخاب کے مسلمان اراکین کا احسان مند محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی شیڈولڈ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے ووٹروں کا۔

منتخب اداروں میں مناسب نمائندگی سے متعلق شیڈولڈ ذاتوں کے دباؤ میں بالخصوص اس وقت اضافہ ہوگا جب بلدیاتی انتخابات منعقد ہوں گے۔ پس، وقت آ گیا ہے کہ ان کی شکایات کو دور کرنے کے لیے راستے تلاش کیے جائیں۔ سیاسی جماعتوں کو شیڈولڈ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے امیدواروں کو نامزد کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ انہیں فیصلہ سازی کے حلقوں میں بھی جگہ دینی چاہئے۔

> نگر پارکر میں صورتحال خاص طور پر تشویش ناک ہوتی جارہی ہے۔ یہ پاکستانی شہریوں کے لیے ایک نوگو ایریا میں تبدیل ہو چکا ہے۔ وہاں سیاحوں کے قیام کے لیے کوئی ہوٹل موجود نہیں ہے۔ نگر پارکر میں کسی کو بھی لیپ ٹاپ یا کیمرہ لے جانے کی اجازت نہیں۔ لیکن مذہب تبدیل کرنے والے گروہوں اور نفرت کی ترغیب دینے والوں کو علاقے میں مکمل آزادی حاصل ہے۔ اس دلکش علاقے میں سیاحوں کے لیے جو کشش ہے، حکام نے اس سے استفادہ نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ شاندار مندر، بالخصوص وہ جو جین مت کے پیروکاروں نے تعمیر کیے، اور تاریخی / ثقافتی یادگاریں تیزی سے زوال پذیر ہو رہی ہیں۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ پاکستان عوام کے اس گراں قدر ورثے کی تباہی میں فریق بننے پر تاریخ کا راستہ روکنے کے الزام کا سامنا کیسے کرے گا۔

جو چیز شیڈولڈ ذاتوں کے لیے سب سے زیادہ پریشانی کا باعث بن رہی ہے وہ یہ ہے کہ سندھ کی دیہی آبادی مذہبی تنوع کے حوالے سے غیر روادار ہوتی جارہی ہے۔ مشترکہ قبرستانوں کی مسلم اور ہندو حصوں میں تقسیم اور مشترکہ قبرستانوں میں سے غیر مسلموں کی نعشیں باہر پھینکنے کے واقعات نے انہیں اس تشویش میں مبتلا کر دیا ہے کہ آگے کیا ہوگا۔

بہت سے واقعات میں ہندوؤں کے مندروں / مقبروں پر حملہ کرنے پر گرفتار کیے گئے مسلمانوں کو ذہنی طور پر معذور افراد قرار دے کر فائدہ پہنچایا گیا جبکہ جب کسی غیر مسلم پر مذہب سے متعلق جرم کا الزام عائد کیا جاتا ہے تو اسے یہ رعایت نہیں دی جاتی۔ اسے اکثر امتیازی سلوک پر پردہ ڈالنے کے لیے قانون کے غلط استعمال کے طور پر دیکھا گیا۔

شیڈولڈ ذاتوں کے اراکین کی ایک بڑی تعداد تھرپارکر اور نگر پارکر کے اضلاع میں میں زمینوں کی مالک ہے۔ وہ برادری کے اندرونی معاملات میں کافی اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ وطن کے ساتھ ان کی وابستگی کا مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب بھارتی فورسز نے نگر پارکر پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن زمینوں کے انصرام سے متعلق نئی پالیسیاں بچی کھچی مذہبی ہم آہنگی کو بھی ختم کرنے کے درپے ہیں۔

سندھ کی شیڈولڈ ذاتیں ایک طویل عرصے سے اینٹی ٹرسٹ بورڈ اور ایوکیوئی ٹرسٹ بورڈ کی جانب سے قبضے میں لی گئیں زمینوں کو اپنی برادری سے تعلق رکھنے والے بے زمین ہاریوں میں تقسیم کرنے میں حکومت کی ناکامی پر احتجاج کرتی رہی ہیں۔ اگر ایک معقول پالیسی اپنائی جاتی تو دیہی معیشت کئی سال پہلے بہتر ہو سکتی تھی۔ اب ان میں سے کچھ زمینیں مبینہ طور پر ان مدرسوں کو الاٹ کی جارہی ہیں جو ان کے بنیاد پرست سرپرست تمام ہندو آبادیوں میں قائم کر رہے ہیں۔

حکومت کو ان زمینوں پر قبضے میں انتظامیہ کی ملی بھگت کے الزامات کی تحقیقات کرنی چاہئیں۔ اگر تھرپارکر اور نگر پارکر کے اضلاع میں انتہا پسند مذہبی جماعتوں کے منصوبوں کو نہ روکا گیا تو پھر پاکستان کو نہ صرف اپنی غیر مسلم آبادی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے علاقے کی آبادی میں تبدیلی کرنے بلکہ لوگوں کا مذہب تبدیل کرنے میں ریاست کی ملی بھگت کے الزام کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہئے۔

چند ترقیاتی سرگرمیاں جیسے کہ تھرکول پراجیکٹ کے بھی شیڈولڈ ذاتوں کے حقوق اور مفادات پر شدید اثرات مرتب ہوں گے، لیکن اس پر تفصیل سے پھر کبھی گفتگو کی جائے گی۔

نگر پارکر میں صورتحال خاص طور پر تشویش ناک ہوتی جارہی ہے۔ یہ پاکستانی شہریوں کے لیے ایک نوگو ایریا میں تبدیل ہو چکا ہے۔ وہاں سیاحوں کے قیام کے لیے کوئی ہوٹل موجود نہیں ہے۔ نگر پارکر میں کسی کو بھی لیپ ٹاپ یا کیمرہ لے جانے کی اجازت نہیں۔ لیکن مذہب تبدیل کرنے والے گروہوں اور نفرت کی ترغیب دینے والوں کو علاقے میں مکمل آزادی حاصل ہے۔ اس دلکش علاقے میں سیاحوں کے لیے جو کشش ہے، حکام نے اس سے استفادہ نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ شاندار مندر، بالخصوص وہ جو جین مت کے پیروکاروں نے تعمیر کیے، اور تاریخی / ثقافتی یادگاریں تیزی سے زوال پذیر ہو رہی ہیں۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ پاکستان عوام کے اس گراں قدر ورثے کی تباہی میں فریق بننے پر تاریخ کا راستہ روکنے کے الزام کا سامنا کیسے کرے گا۔

سب سے بڑھ کر شیڈولڈ ذاتوں کے حقوق اور وقار خطرے میں ہیں۔ ان برادریوں کے تحفظ اور ترقی کے لیے ایک مضبوط پروگرام شروع کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

پسند کی شادی کرنے والا جوڑا قتل

قلات قلات میں 30 سال قبل پسند کی شادی کرنے والے ایک جوڑے کو فائرنگ کر کے ہلاک کیا گیا ہے۔ اس جوڑے کو ہلاک کرنے کا واقعہ قلات شہر کے قریب کوہنگ کے علاقے میں پیش آیا۔ قلات پولیس سٹیشن کے ایک سینیئر اہلکار نے بتایا کہ 22 جولائی کی شب کوہنگ کے علاقے میں دو نامعلوم مسلح افراد آئے تھے اور انھوں نے تین بجے کے قریب ایک گھر میں گھس کر فائرنگ کی۔ فائرنگ کے نتیجے میں دو افراد ہلاک ہوئے جن میں ایک خاتون بھی شامل تھیں۔ اس واقعے کے بعد حملہ آور فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پولیس اہلکار کا کہنا تھا کہ حملے کے وقت گھر میں ہلاک ہونے والے جوڑے کے دو بیٹے اور ایک بیٹی بھی موجود تھیں لیکن حملہ آوروں نے ان کو نہیں مارا۔ ہلاک ہونے والے دونوں افراد کی لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹرز ہسپتال قلات منتقل کر دیا گیا۔ پولیس اہلکار نے ابتدائی تفتیش کے حوالے سے بتایا کہ دونوں افراد کا تعلق صوبہ سندھ کے ضلع جیکب آباد کے ایک بلوچ قبیلے سے تھا اور انھوں نے 30 سال قبل پسند کی شادی کی تھی۔ وہ دو تین ماہ قبل قلات آئے تھے اور کوہنگ کے علاقے میں رہائش اختیار کی تھی۔ پولیس اہلکار نے بتایا کہ حملہ آوروں کے بارے میں تاحال معلوم نہیں ہوسکا۔ پولیس کے مطابق اس جوڑے کو ہلاک کرنے کی وجہ پسند کی شادی ہوسکتی ہے۔

(نامہ نگار)

تشدد کو بے ضرر کرنا

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے ایک بار پھر بلوچستان میں ہونے والے حالیہ اہدافی فرقہ وارانہ اور نسلی تشدد کے واقعات پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ کمیشن نے حکومت سے عاجزانہ درخواست کی ہے کہ وہ اس صوبے میں تسلسل کے ساتھ نسلی بنیادوں پر ہونے والی قتل وغارت گری کو روکنے کے لئے کچھ کرے۔ بحیثیت ایک قوم ہمارے لئے ایچ آر سی پی کی طرف سے پیش کردہ تکلیف دہ حقائق کوئی چونکا دینے والے نہیں ہیں بلکہ ہم تو اس صوبے میں ہونے والے تشدد کے تصور اور فرقہ وارانہ قتل وغارتگری کے بارے میں بے حسی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اصل میں حیران کن بات تو تب ہوگی جب ارباب حکومت اس صوبے کو درپیش مسائل کو ترجیح دیتے ہوئے آخر کار انسان کی پیدا کردہ تباہیوں پر اپنی آنکھیں کھولیں گے۔

حال ہی میں ریاست کی طرف سے عام معافی کے اعلان کے بدلے میں سینکڑوں عسکریت پسندوں نے تشدد کو تیاگنے کا اعلان کیا ہے۔ مزید برآں نیشنل ایکشن پلان کے تحت صوبے میں تمام دینی مدرسوں کو محکمہ تعلیم کے ذریعے سے رجسٹر کیا جائے گا ان میں وہ دو ہزار مدرسے بھی شامل ہیں جنہیں بلوچستان میں محکمہ صحت نے رجسٹر کیا ہوا تھا۔ اس اچھی خبر کی جھلملاتی ہوئی شعاع پر اطمینان کا سانس لینے سے قبل سوچنا ہوگا کہ اس کے ہونے کے امکان اور اس پر ردعمل یا اس کے نتائج کی فطری خصوصیات کیا ہوسکتی ہیں۔ جہاں تک عسکریت پسندوں کو غیر مسلح کرنے کے پروگرام کا تعلق ہے تو ہوسکتا ہے کہ علاقے کے لچک رکھنے والے قبائلی سرداروں کے ساتھ گفت وشنید کرنے میں کافی تاخیر ہو چکی ہو۔ بہرحال حقیقت حال یہ ہے کہ حکومت کو چاہئے کہ وہ بلوچوں کو باعزت طریقے سے بحال کرے اور انہیں معاشرے کا باوقار حصہ بنائے، ورنہ ان کے لئے دوبارہ ہتھیار اٹھانا آسان ہوگا۔

ایسے لگتا ہے کہ حکومت کے لئے مسلسل انتباہ سے کہیں زیادہ کی ضرورت ہے۔ اس کو بار بار یاددہانی کرانا کہ تمام شہریوں کی جانوں کا تحفظ حکومت کی اولین ذمہ داری ہے، کافی نہیں۔ اس سے کہیں زیادہ کرنا ہوگا اور یہ کام انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والے گروپس زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ بلوچستان ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ یہ معدنی خزانوں سے مالا مال ہے۔ یہاں ہر قسم کے معدنی ذخائر ہیں اس کے باوجود یہ ملک کا غریب ترین صوبہ ہے۔ بلوچوں کے مسئلہ میں کمی نہ ہونے پر بلوچوں کا غصہ جائز ہے۔ اس بغاوت، اس سرکشی کو ختم ہونا چاہئے۔ سرکشوں کی باعزت بحالی بے حد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ نسلی تشدد کو کچلنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اگر قانون نافذ کرنے والے اپنی ذمہ داری بہتر طور پر نبھائیں تو پھر حالات سدھرنے لگیں گے اور تمام معاملات طے پا سکیں گے۔

(انگریزی سے ترجمہ، 10 جولائی کے روزنامہ نیشن کا اداریہ)

3 تشدد زدہ لاشیں برآمد

کوئٹہ ضلع کیچ کی مقامی انتظامیہ کے ذرائع نے بتایا کہ ان افراد کی لاشیں 24 جولائی کو دُور دراز علاقے دشت کھڈان سے برآمد ہوئی ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ انتظامیہ کو دشت کھڈان کے علاقے میں لاشوں کی موجودگی کی اطلاع ملی تھی۔ اس اطلاع پر لیویز فورس کے اہلکار وہاں گئے اور تینوں افراد کی لاشوں کو برآمد کرنے کے بعد شناخت کے لیے مقامی ہسپتال پہنچایا۔ مقامی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ تینوں افراد کو گولیاں مار کر ہلاک کرنے کے بعد ان کی لاشیں اس علاقے میں پھینک دی گئی تھیں۔ ہلاک ہونے والے تینوں افراد کی شناخت ہوگئی ہے اور یہ تینوں افراد مقامی شہری ہیں جو ایک ہفتے سے لاپتہ تھے۔ مقامی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں افراد کی ہلاکت کے محرکات تاحال معلوم نہیں ہوسکے ہیں۔ ضلع کیچ انتظامی لحاظ سے بلوچستان کے مکران ڈویژن کا حصہ ہے اور اس ضلع کی سرحدیں ایران سے بھی ملتی ہیں۔ ضلع کیچ کا شمار بلوچستان کے ان علاقوں میں ہوتا ہے جو کہ شورش سے قدرے کم متاثر ہیں۔ کیچ میں اس سے پہلے بھی تشدد زدہ لاشیں ملتی رہی ہیں۔ بلوچستان میں لاپتہ ہونے والے افراد کی لاشیں ملنے کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے اور صوبائی حکومت نے رواں برس کے آغاز میں بتایا تھا کہ 2014 کے دوران صوبے سے 164 ایسی لاشیں ملی ہیں۔ تاہم پاکستان میں لاپتہ بلوچ افراد کے رشتہ داروں کی تنظیم وائس فار مسنگ بلوچ پرسنز نے اس دعوے کو مسترد کرتے ہوئے کہا تھا کہ گذشتہ برس کے دوران کل 435 بلوچ لاپتہ ہوئے جبکہ 455 افراد کی تشدد زدہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ بلوچستان کے طول وعرض سے تشدد زدہ لاشوں کی برآمدگی کا سلسلہ 2008 میں شروع ہوا تھا تاہم ایسے واقعات کے مقدمات کے اندراج کا سلسلہ 2010 سے سپریم کورٹ کے حکم پر شروع ہوا تھا۔

(نامہ نگار)

بیٹے کو بازیاب کرایا جائے

بنوں سکاری جبڑ کے رہائشی زیر نواز خان نے 29 جون کو وزیراعظم، چیف آف آرمی سٹاف اور چیف جسٹس آف پاکستان سے ایک مرتبہ پھر اپیل کی ہے کہ وہ اس کے مغوی بیٹے کی بازیابی کے لئے اقدامات کریں۔ مقامی نمائندین اور سماجی کارکنوں کے ایک جرگے کے دوران بات کرتے ہوئے زیر نواز خان نے کہا کہ اغوا کاروں نے اس کے گیارہ سالہ بیٹے وقار کو چالیس دن پہلے اغوا کیا تھا اور انہوں چونتیس لاکھ روپے تاوان طلب کیا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ بہت غریب ہے، وہ اتنی بڑی رقم ادا نہیں کر سکتا۔ اس نے مزید کہا کہ اس نے سکیورٹی فورسز اور پولیس کو اغوا کاروں کے موبائل نمبر اور ان کے کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ کے نمبر فراہم کیے لیکن ابھی تک کوئی کاروائی نہیں کی گئی۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

اشتعال پھیلانے کے مذہبی رہنما کو گرفتار کرلیا

لاہور پنجاب پولیس نے مبینہ توہین مذہب کے مرتکب عیسائی جوڑے کو مشتعل ہجوم کے ہاتھوں پرتشدد موت سے بچاتے ہوئے اشتعال پھیلانے کے جرم میں ایک مذہبی رہنما کو گرفتار کرلیا۔ یہ واقعہ 30 جون کو کو پنجاب کے ایک گاؤں ککی میں پیش آیا۔ ضلعی پولیس افسر سہیل ظفر چٹھہ نے اے ایف پی کو بتایا کہ اس ناخواندہ عیسائی جوڑے نے اپنے گھر میں زمین پر سونے کیلئے مختلف کالجوں کے ناموں اور نعروں پر مشتمل ایک پرانا پینا فلیکس اشتہار حاصل کیا۔ اس اشتہار پر کالجوں کے نعروں کے ساتھ مبینہ طور پر قرآن پاک سے کچھ آیات بھی لکھی ہوئی تھیں، جس کی وجہ سے ایک مقامی حجام اور دو مذہبی رہنماؤں نے جوڑے پر توہین مذہب کا الزام عائد کیا۔ چٹھہ نے فیس بک پر لکھا کہ علاقے کے مشتعل لوگ جمع ہوئے اور غریب جوڑے کو، جنہیں معلوم بھی نہیں تھا کہ ان سے کیا غلطی ہوئی، دھکیلتے ہوئے باہر لائے اور تشدد کرتے ہوئے قتل کرنے کی کوشش کی۔ بعد ازاں، چٹھہ نے اے ایف پی کو بتایا 'پولیس نے بروقت مداخلت کرتے ہوئے جوڑے کو ہجوم سے بچایا اور انہیں لاہور منتقل کرنے کے بعد مسیحی برادری کے عمائدین کے حوالے کردیا'۔ پولیس نے ایک مذہبی رہنما کو گرفتار کرلیا جبکہ حجام اور دوسرا مذہبی رہنما مفرور ہیں۔ اہل علاقہ نے پولیس تفتیش کے دوران امکان ظاہر کیا کہ حجام مسیحی جوڑے کا گھر حاصل کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ انسانی حقوق کے ایک مسیحی وکیل ندیم انتھونی نے بروقت پولیس کارروائی کی تعریف کرتے ہوئے اسے مثبت پیش رفت قرار دیا۔ انہوں نے بتایا کہ تین دوسرے موقعوں پر بھی پولیس نے اپنی ڈیوٹی کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے لوگوں کو مشتعل ہجوم سے بچایا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

معمولی جھگڑے پر نوجوان قتل، باپ زخمی

پشاور 29 جون کو تھانہ بڈھ بیر کے گاؤں احمد خیل میں تلخ کلامی پر ایک نوجوان کو قتل جبکہ اس کے باپ کو زخمی کردیا گیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ دلراز نے معمولی جھگڑے پر حنیف خان اور افتخار خان پر فائرنگ کردی۔ فائرنگ کے نتیجے میں حنیف خان موقع پر جاں بحق جبکہ افتخار زخمی ہوگیا۔ مقامی پولیس نے واقعے کا مقدمہ درج کرکے تفتیش شروع کردی ہے۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

پاکستانی بچوں کے حقوق کے حوالے سے حکومتی لالی پوپ

جھوٹ کے شیرے میں ڈوبے اعداد و شمار پیش کرنے سے کیا فائدہ؟

اسلام آباد بچوں کی تعلیم کے حوالے سے پاکستان نے جو عہد کیا تھا وہ اس کو پورا کرنے میں کافی پیچھے رہ گیا ہے۔ لیکن باہر کی دنیا کو خوش کرنے کے لیے مٹھاس میں لتھڑے اعداد و شمار پیش کر کے دنیا کو جُل دے رہا ہے۔ یہ بات ''بچوں کے حقوق کے تحفظ کی سوسائٹی'' کی وکالت اور ابلاغ سے متعلق مریم سومرو نے کہی۔ وہ اسلام آباد میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام منعقدہ ''بچوں کے حقوق سے متعلق معاہدے پر عمل درآمد کے حوالے سے پاکستان کی کارکردگی'' کی کانفرنس سے خطاب کر رہی تھیں۔ یہ اجلاس تعلیم، صحت، متبادل دیکھ بھال اور بچوں کے استحصال جیسے مسائل اور معاہدے کے تحت رسمی معاہدوں پر عمل درآمد میں ملک کی ناکامی کے حوالے سے گفتگو کے لیے منعقد کیا گیا تھا۔ کانفرنس کا آغاز ظفر اللہ خان نے کیا۔ انہوں نے نابالغوں کے لیے انصاف سے متعلق حالیہ قانون سازی کے بارے میں اپنے اندیشوں کا اظہار کیا۔ انہوں نے قوانین کے غیر تسلی بخش ہونے یا

قوانین کے نہ ہونے، قوانین کے نفاذ کی صورت حال، نیز فاٹا ریجن کے حوالے سے اپنی تشویش، وسائل کی تخصیص، نابالغوں کے لیے عدالتیں، رسائی، مناسب طریق کار اور حراست کے حوالے سے کانفرنس کے شرکاء کو مطلع کیا۔

بعد میں مریم سومرو نے خواتین اور تعلیم سے متعلق مسائل مثلاً تعلیم تک رسائی، میڈیا کوریج کا نہ ہونا، بجٹ کی تخصیص، صوبائی قوانین، صنفی عدم مساوات، پیشہ ورانہ تعلیم، اساتذہ کی تربیت، نومولود بچوں کی نگہداشت، کم عمری کی شادیاں اور حمل پر سیر حاصل گفتگو کی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ پاکستان نے تعلیم کے حوالے سے جو وعدے کیے تھے، انہیں پورا نہیں کیا جبکہ اقوام متحدہ کو شیرے میں ڈبوئے اعداد و شمار پیش کر کے اس کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

بچوں کے حقوق کی ماہر زہرہ کمال عالم نے متبادل نگہداشت کے حوالے سے بحث کا آغاز کیا۔ انہوں نے بچوں کی پرورش گاہوں، سندھ میں بچوں کے حراستی مراکز یا قیام گاہوں، سرپرستی کے اصولوں، مالی وسائل کے مسائل اور ریاستی و نجی یتیم خانوں کی صورت حال پر تفصیلی بات چیت کی۔ انہوں نے اپنی گفتگو میں مزید کہا کہ صنفی ترقی کی فہرست میں یا صنفی ترقی کے پیمانے پر 187 ملکوں میں سے پاکستان 145 ویں نمبر پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے ہاں عزت کے نام پر قتل، بچوں کی شادیاں اور دلہنوں کو جلانے جیسے واقعات جواب بھی وقوع پذیر ہوتے ہیں، کے حوالے سے 187 ملکوں میں پاکستان 145 ویں نمبر پر ہے۔

بچوں پر تشدد کے خاتمے کے خلاف نیشنل ایکشن کوآرڈی نیشن گروپ کی چیئر پرسن ویلری خان نے بھی انسانی حقوق کے دوسرے متحرک کارکنوں، سیاسی محققین، اور ابلاغ عامہ سے متعلق دوسرے افراد کی طرح اجلاس سے خطاب کیا۔ اجلاس اس جانکاری کے ساتھ اختتام پذیر ہوا کہ ایسے اقدامات کیے جائیں گے جن کی بنیاد صنف، نسل، مذہب اور افراد کے معاشی حالات پر نہیں ہوگی۔ کانفرنس کے شرکاء نے اُن اقدامات پر بھی سیر حاصل بحث کی جو بچوں پر ہونے والے تشدد، جنسی اور اقتصادی استحصال، جسمانی سزا، بچوں کی خرید و فروخت کو ختم کرنے اور بے سہارا بچوں کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ حکومت نے تو بس اتنا کیا ہے کہ اس نے بچوں کے ساتھ تشدد کی فلم سازی اور بچوں کی جسم فروشی سے متعلق قوانین کو قابل سزا جرم بنادیا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ: بشکریہ فرائیڈے ٹائمز)

نوجوان کی نعش برآمد

پشاور 9 جولائی کو خزانہ پولیس اسٹیشن کی حدود میں واقع نساپا کرونا کے علاقے سے ایک پچیس سالہ نوجوان کی نعش برآمد ہوئی۔ مقتول کی شناخت سید عارف شاہ ولد سید منور شاہ سکنہ پشاور کے طور پر ہوئی۔ مقامی لوگوں نے پولیس کو واقعے سے متعلق آگاہ کیا جس پر پولیس نے نعش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا اور نامعلوم ملزمان کے خلاف ایف آر درج کر لی۔ پولیس کا کہنا تھا کہ مقتول کے ورثاء نے ابھی تک ایف آر میں کسی کا بھی نام درج نہیں کرایا۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

فائرنگ سے تین ویلڈر ہلاک

کوئٹہ 31 جون کو بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں دو نامعلوم مسلح موٹر سائیکل سواروں کی ایک دکان پر فائرنگ سے تین ویلڈر ہلاک ہو گئے۔ سینئر پولیس افسر عبدالرزاق چیمہ نے بتایا کہ حملہ آور فائرنگ کے بعد فرار ہونے میں کامیاب رہے۔ چیمہ کے مطابق، بظاہر یہ حملہ نسلی بنیادوں پر کیا گیا کیونکہ ہلاک ہونے والے تینوں ویلڈر پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔ اا اور سینئر پولیس افسر اعتزاز گورایہ نے فائرنگ اور ہلاکتوں کی تصدیق کی۔ ابھی تک کسی نے واقعہ کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ (نامہ نگار)

سیاسی جماعت کے ضلعی صدر کے قتل کے خلاف احتجاج

شہداد کوٹ 12 جولائی کو جسقم کے ضلعی صدر عبداللہ سومرو کے قتل کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرین نے ہاتھوں میں پلے کارڈ اور بینر اٹھا رکھے تھے جن پر ''قاتلوں کو گرفتار کرو'' اور ''واقعے میں ملوث افراد کو سزا دو'' جیسے نعرے درج تھے۔ اس موقع پر مقتول کے بیٹوں کا کہنا تھا کہ ان کے والد کو بے گناہ قتل کیا گیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ قتل میں ملوث افراد کو گرفتار کیا جائے۔

(نامہ نگار)

دو افراد کی تشدد زدہ لاشیں برآمد

کوٹری 29 جولائی کو کوٹری کے قریب سے پولیس کو اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ان دو افراد کی تشدد شدہ لاشیں ملی ہیں جو کئی ماہ سے لاپتہ تھے۔ کوٹری پولیس کا کہنا ہے کہ قومی شاہراہ پر بولھاڑی کے قریب سے گزشتہ شب دو لاشیں ملیں جنہیں سر میں گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ یہ دونوں لاشیں تعلقہ ہسپتال کوٹری منتقل کی گئیں جہاں دونوں کی شناخت صہیب سموں اور اجمل خلجی کے نام سے کی گئی ہے۔ صہیب حیات ضلع تھرپارکر کے شہر اسلام کوٹ جبکہ خلجی حیدرآباد کے علاقے ہالہ ناکہ کے رہائشی تھے۔ صہیب احمد کی لاش ان کے چچا اشرف سموں نے وصول کی۔ اشرف سموں کا کہنا ہے کہ 37 سالہ صہیب کا مٹھی میں آرمی پبلک اسکول کے قریب گلستان صحرا فاؤنڈیشن کے نام سے مدرسہ تھا جہاں وہ بچوں کو دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اشرف سموں کے مطابق 18 فروری کی شب انہیں رات کو مدرسے والوں نے اطلاع دی کہ صہیب کو چار گاڑیوں میں سوار لوگ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ 'میں جب مدرسے پہنچا تو بچے ڈرے اور سہمے ہوئے تھے جبکہ کتابیں بکھری ہوئی تھیں، اساتذہ نے بتایا کہ اہلکاروں نے معلوم کیا کہ مدرسہ رجسٹرڈ ہے یا نہیں بعد میں صہیب کو ساتھ لے گئے۔' صہیب کے چچا سے جب بات ہوئی تو وہ لاش ایمبولینس میں لے کر اپنے گاؤں جا رہے تھے۔ 37 سالہ صہیب مٹھی میں ایک مدرسہ چلاتے تھے اور رواں برس فروری سے لاپتہ تھے۔ انھوں نے بتایا کہ صہیب کی گمشدگی کی ایف آئی آر درج کرانے کے لیے تھانے کے چکر لگاتے رہے لیکن کچی رپورٹ بھی درج نہیں کی گئی اور بالآخر گزشتہ شب کوٹری پولیس نے رابطہ کر کے بتایا کہ انہیں دو لاشیں ملی تھیں جن میں سے ایک کا نام صہیب ہے۔ اشرف سموں کا دعویٰ ہے کہ ان کے بھتیجے کا کسی مذہبی و سیاسی تنظیم یا شدت پسند گروہ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ 'وہ اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے اپنا ایک خیال اور سوچ ضرور تھی۔' صہیب احمد پنجاب کے علاقے فیصل آباد کے مدرسے سے فارغ التحصیل تھے بعد میں انہوں نے مٹھی میں مدرسہ قائم کیا جس میں پچاس سے زائد طالب علم زیر تعلیم تھے۔ اشرف سموں کے مطابق صہیب کی کچھ دوستوں نے مدد کی تھی جس سے انہوں نے زمین خریدی اور بعد میں پانچ کمروں پر مشتمل مدرسہ قائم کیا۔ 32 سالہ اجمل خلجی کی لاش ان کے بھائی محمد انور نے وصول کی۔ کوٹری تحصیل ہسپتال میں محمد انور نے بتایا کہ ان کے بھائی گزشتہ 7 ماہ سے لاپتہ تھے اور انھیں حیدرآباد کے علاقے کالی موری پر واقع آئل ڈپو سے دو ڈبل کیبن میں سوار افراد ساتھ لے گئے تھے جس کے بعد سے ان کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ اجمل خلجی کی بھی کسی مذہبی جماعت یا شدت پسند گروہ سے وابستگی سامنے نہیں آسکی ہے، تاہم ان کے اہل خانہ کا کہنا ہے کہ وہ بھی اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ یاد رہے کہ اندرونِ سندھ سے ایسی لاشیں ملنے کا اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے مذہبی رجحان رکھنے والے افراد کی تشدد شدہ لاشیں کراچی سے ملتی رہی ہیں جن کا تعلق پولیس کا لعدم تحریک طالبان کے مختلف گروہوں سے بتاتی رہی ہے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

تین مزدوروں کو قتل کر دیا گیا

گوادر بلوچستان کے ضلع گوادر میں نامعلوم مسلح افراد نے تین مزدوروں کو قتل کر دیا۔ لیویز ذرائع نے بتایا کہ عسکریت پسندوں نے 4 جولائی کی شام زیرو پوائنٹ علاقے میں ایک تعمیراتی کمپنی پر فائرنگ کر دی۔ فائرنگ سے تین مزدور موقع پر ہلاک ہو گئے۔ لیویز ذرائع کا مزید کہنا تھا کہ حملہ آوروں نے علاقے میں مشینری اور مزدوروں کی حفاظت پر معمور بلوچستان کانسٹیبلری کے اہلکاروں سے اسلحہ بھی چھین لیا۔ لیویز نے واقعہ کو ٹارگٹ کلنگ قرار دیتے ہوئے تحقیقات شروع کر دیں۔ (نامہ نگار)

اور دو افراد قتل

بنوں مختلف واقعات میں مطلوب ملزم سمیت 2 افراد کو قتل کر دیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق منڈان کی حدود میں واقع میرمون کلہ میں 19 جون کو ملزمان حیات اللہ اور سلیم خان نے فائرنگ کر کے شریف اللہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ملزمان ارتکاب جرم کے بعد موقع واردات سے فرار ہو گئے۔ وجہ عداوت مکان میں رہنے پر تنازعہ بتائی گئی ہے منڈان پولیس نے مقتول کی بیوہ روبینہ بیگم کی رپورٹ پر مبینہ ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی واضح رہے کہ مقتول شریف اللہ تھانہ ککی پولیس کو قتل کی واردات میں مطلوب تھا۔ تھانہ منڈان کی ہی حدود میں واقع بنوں ککی روڈ پر ملزمان صابر خان، مشتاق خان پسران زرگل خان نے فائرنگ کر کے سُمیر نامی شخص کو قتل کر دیا۔ ملزمان موقع واردات سے فرار ہو گئے۔ پولیس نے مقتول کے چچازاد تحسین اللہ کی رپورٹ پر ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی۔

(نامہ نگار)

پاکستان جہاں ہرسال 1000 لڑکیوں کو جبراً مسلمان کیا جاتا ہے

پاکستان میں ہرسال تقریباً ایک ہزار غیر مسلم لڑکیوں کو مسلمان بنایا جاتا ہے۔ یہ بات عورت فاؤنڈیشن نے اپنی ایک رپورٹ میں بتائی ہے جو پیر 13 جولائی کی شام کو جاری کی گئی تھی۔ رپورٹ عورت فاؤنڈیشن کراچی کی ریذیڈنٹ ڈائریکٹر اور سینئر صحافی ماہ ناز رحمان، سندھ اسمبلی کی ڈپٹی سپیکر شہلا رضا اور سینئر صحافیوں علی احمد خان اور ظوفین ٹی ابراہیم کی موجودگی میں جاری کی گئی۔

رپورٹ کے مطابق جبری مذہبی تبدیلی کا مطلب ہے کسی ایک فرد یا بہت سے افراد کے دباؤ، طاقت کے استعمال، جبر یا دھمکی، چاہے اس کی شکل جسمانی ہو، جذباتی یا نفسیاتی، کے ذریعے کسی دوسرے فرد کو کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرنا۔ ایسے حالات میں اس فرد کی مرضی، کسی بھی شکل میں، شامل نہیں ہوتی۔ یہ بات عام ہے کہ دباؤ یا جبر کے یہ طریقے محض فرد پر استعمال نہیں کئے جاتے بلکہ متعلقہ فرد کے خاندان والوں، ان کے عزیز واقارب یا اس کے ہم مذہبوں پر بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ مذہب کی تبدیلی کے لئے طاقت کے مختلف طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ پاکستان میں جو دو اہم طریقے استعمال کئے جاتے ہیں ان میں ایک تو شادی اور دوسرا جبری مشقت ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے طریقے ہیں جو مذہب کی جبری تبدیلی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

پاکستانی معاشرت میں مذہبی اقلیتوں کے خلاف بڑھتی ہوئی عدم برداشت اور فروغ پاتی عصبیت کا مظاہرہ بڑھتے ہوئے تشدد، قتل وغارتگری اور مذہبی اقلیتوں پر ہونے والی ستم رانی سے ہوتا ہے لیکن مذہب کی جبری تبدیلی نے معاملات میں مزید بگاڑ پیدا کردیا ہے۔ جبری مذہبی تبدیلی نے ایک خوفناک رجحان کو جنم دیا ہے۔ جبری مذہبی تبدیلی کے لئے جو مختلف طریقے استعمال کئے جاتے ہیں ان میں طاقت اور دھمکی کا استعمال، گروہی تشدد، جبری مشقت اور ملازمت کی دوسری استحصالی شکلیں شامل ہیں۔ جبری مذہبی تبدیلی کا ایک طریقہ شادی ہے یعنی غیر مسلم لڑکیوں اور خواتین کو مسلمان لڑکوں اور مسلمان مردوں سے بیاہنا۔ اس کے لئے لڑکیوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ حقائق اور اعداد وشمار کے مطابق مذہبی تبدیلی کا یہ طریقہ بڑی تیزی کے ساتھ رواج پا رہا ہے۔

مختلف رپورٹوں کے مطابق ہرسال تقریباً ایک ہزار لڑکیوں کو جبری طور مسلمان کیا جاتا ہے۔ ان میں زیادہ تعداد لڑکیوں کی ہے جن کا تعلق عیسائی اور ہندو خاندانوں سے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر مسلم خواتین کے اسلام قبول کرنے کے بہت سے واقعات صحیح بھی ہیں یعنی انہوں نے بہ رضا ورغبت اسلام قبول کرکے مسلمان مردوں سے شادیاں کی ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور وہ یہ کہ مذہب تبدیل کرنے والی خواتین کے خاندانوں نے ان کے اس عمل پر شدید ردعمل کا اظہار کیا اور جبری مذہبی تبدیلی کے الزامات عائد کئے جو درست نہیں ہیں۔ بہرحال اس کا یہ

> پاکستانی معاشرت میں مذہبی اقلیتوں کے خلاف بڑھتی ہوئی عدم برداشت اور فروغ پاتی عصبیت کا مظاہرہ بڑھتے ہوئے تشدد، قتل وغارتگری اور مذہبی اقلیتوں پر ہونے والی ستم رانی سے ہوتا ہے لیکن مذہب کی جبری تبدیلی نے معاملات میں مزید بگاڑ پیدا کردیا ہے۔

مطلب ہرگز نہیں کہ جبری مذہبی تبدیلی کے واقعات پیش نہیں آرہے اور ان رپورٹوں میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ صورتحال انتہائی پریشان کن اس لئے بھی ہے کہ ایسے واقعات میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔

شادی کے ذریعے جبری مذہبی تبدیلی کے بہت سے مشترک عناصر ہیں جن کو شادی کے ذریعے پیدا ہونے والی مذہبی تبدیلیوں کے حوالے سے کسی حد تک استثناء اور تحفظ حاصل ہے یہ مشترک عناصر یا عوامل درج ذیل ہیں:

1۔ مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کو اکسا کر یا انہیں اغوا کرکے مسلمان بنایا جاتا ہے اور ان کی شادی اغواء کرنے والے یا کسی اور شخص سے کردی جاتی ہے۔ اس شادی کے بارے میں نہ تو لڑکی کو کچھ بتایا جاتا ہے اور نہ ہی اس کی رضامندی حاصل کی جاتی ہے۔

2۔ ایسے بہت سے واقعات میں یہ لڑکیاں بچیاں ہوتی ہیں یعنی ان کی عمریں پندرہ برس سے کم ہوتی ہیں۔

3۔ اس ظلم کی شکار بچیوں کے خاندان اغواء کے خلاف ایف آئی آر درج کرواتے ہیں۔

4۔ بعض اوقات اغواء کنندہ بھی جوابی کارروائی کے طور پر ایف آئی آر درج کروا دیتا ہے جس میں لڑکی کے خاندان پر لڑکی کو ہراساں کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے جس نے اپنی مرضی سے مذہب تبدیل کیا ہوتا ہے۔

5۔ ظلم کی شکار لڑکی کو کہا جاتا ہے کہ وہ مجسٹریٹ کے سامنے تصدیق کرے کہ اس نے اپنی مرضی سے مذہب تبدیل کیا ہے اور اپنی مرضی سے ہی شادی کی ہے۔

6۔ اس تمام تر عدالتی کارروائی کے دوران لڑکی اغواء کنندگان کی نگرانی میں رہتی ہے۔

7۔ زیادہ تر مقدمات میں لڑکی تصدیق کرتی ہے کہ اس نے اپنی مرضی سے مذہب تبدیل کیا ہے اور اس شادی میں اس کی رضامندی شامل ہے۔ چنانچہ مقدمہ یہیں پر ختم کردیا جاتا ہے۔

8۔ جب لڑکی ایک بار یہ بیان دے دیتی ہے کہ اس نے اپنی پسند کی شادی کی ہے تو پھر اس حوالے سے مزید کوئی تفتیش وغیرہ نہیں کی جاتی۔ تاہم رپورٹوں اور لڑکی جو ایسی صورتحال میں سے بچ نکلتی ہے، کو بہت سے دوسرے عوامل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اس ''موافق شہادت'' پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ یہ عوامل درج ذیل ہیں:

الف۔ پولیس کی طرف سے جرائم کے اندراج یا جرائم کی تفتیش میں پس وپیش کرنا، رجسٹریشن وغیرہ کے اندراج کے مسائل، اغوا کنندہ کی مدد کرنے کے لئے شہادت کو نظر انداز کرنے یا شہادت مہیا کرنے کے لئے پولیس پر عوامی دباؤ وغیرہ، وسائل کی کمی، تحفظ مہیا کرنے یا موثر طور پر کام کرنے کی صلاحیت کا نہ ہونا اور پولیس کے تعصب کو جاننے کے لئے موثر طریق کار کے فقدان یا اس کا اپنے فیصلوں پر نظر ثانی وغیرہ۔

ب۔ ظلم کا نشانہ بننے والے کو تذلیل کا خوف یا اس کو ملنے والی دھمکیاں۔ عمومی طور پر اغوا کرنے والا ظلم کا نشانہ بننے والے خاندان کے خلاف ایف آئی درج کروادیتا ہے جس میں وہ ہراساں کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ظلم کا نشانہ بننے والوں کے دیئے گئے بیانات عمومی طور پر دباؤ اور طاقت کے خوف کے تحت ہوتے ہیں۔ ملزم کی تحویل میں موجود لڑکیوں کو (رپورٹوں کے مطابق) ہراساں کیا جاتا ہے، انہیں ذلیل وخوار کیا جاتا ہے، انہیں دھمکیاں دی جاتی ہیں کہ ان کے خاندانوں کو نیست ونابود کردیا جائے گا، ان پر جنسی اور جسمانی تشدد کیا جاتا ہے۔ انہیں ایسے بدترین حالات میں رکھا جاتا ہے کہ وہ محسوس کرنے لگتی ہیں کہ ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ ملزموں کی بات مان لیں ورنہ مزید ''تشدد'' کا

شکار ہونے کے علاوہ وہ اپنے خاندان پر ہونے والے تشدد اور مظالم کی بھی ذمہ دار ہوں گی۔

ج۔ مظلوم کو اپنے اصلی مذہب کی طرف رجوع کرنے کے حوالے سے دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ انہیں بار بار بتایا جاتا ہے کہ اب وہ مسلمان ہیں اور اگر وہ اپنے پرانے مذہب پر عمل پیرا رہیں تو وہ کافر سمجھی جائیں گی جس کی سزا موت ہے۔ چنانچہ وہ بیچاریاں مجبور ہو جاتی ہیں کہ وہی کریں جو انہیں کہا جاتا ہے اور وہ اپنے اغواء کرنے والوں کے ساتھ ہی رہنے میں عافیت سمجھتی ہیں۔

د۔ ظلم کا شکار ہونے والی لڑکیاں اپنے اغواء کرنے والوں کی تحویل میں رہتی ہیں۔ بہت سے مقدمات میں مظالم کا شکار ہونے والی لڑکیاں جرم کے مبینہ مرتکب افراد کی تحویل میں رہتی ہیں اور مقدمے کی سماعت کے دوران کے عرصہ میں بھی وہ انہی کی تحویل میں ہوتی ہیں۔ اس طرح اغواء کے ذمہ داروں کی ان بچیوں تک رسائی ہر وقت رہتی ہے اور اس عرصے میں وہ اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ لڑکی ان کے حق میں بیان دے۔

ر۔ عدلیہ کے اپنے اندر تفریق اور تعصب۔ رجعت پسندوں اور مذہبی انتہا پسندوں کی طرف سے ججوں پر شدید دباؤ ہوتا ہے جو قوانین کی تشریح اور ان کا اطلاق منتخب اور غیر یکساں طور پر کرتے ہیں۔ ججوں کا کردار اور پولیس کے تعصب کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور اپنے فرائض صحیح طور پر انجام نہ دینے پر انہیں کڑی سزائیں ملنی چاہئیں۔ اگر ثابت ہو جائے کہ انہوں نے تعصب کے تحت فیصلہ دیا ہے تو پھر انہیں وہی سزا دی جانی چاہئے جو جرم میں مددگار کی حیثیت سے سزا دی جانی چاہئے۔

س۔ عمومی طور پر ایسے مقدمات میں متعلقہ پارٹیوں، خصوصاً اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی پارٹیوں، ظلم کا شکار ہونے والی لڑکی، اس کا خاندان، اس کے وکیل، اس کی کمیونٹی یہاں تک کہ تفتیشی افسر و جج تک کو تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا اثر پوری عدالتی کارروائی پر پڑتا ہے جس سے مقدمے کی منصفانہ سماعت کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

ص۔ ان عدالتی کمروں کو جہاں ایسے مقدمات کی سماعت ہوتی ہے، بہت زیادہ دباؤ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ عام طور پر عدالتی کمروں میں لوگ ٹھسے ہوئے ہوتے ہیں جو مذہب تبدیل کرنے والوں کے بارے میں نعرے بازی کرتے ہیں۔ بعض اوقات تو عدالت کے باہر مذہبی تبدیلی کے حق میں فائرنگ کر کے جشن مناتے ہیں جس سے گواہوں کے علاوہ ججوں اور وکیلوں پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ظلم کا شکار ہونے والی کے حق میں شہادت دینے والے خوفزدہ ہو جاتے ہیں بلکہ جج اور وکلاء بھی دباؤ میں آ جاتے ہیں۔ ظلم کا شکار ہونے والی سے کہا جاتا ہے کہ وہ اس بات کی تصدیق کرے کہ آیا اس نے بذات خود صحیح طور پر اسلام قبول کیا ہے یا نہیں اور یہ سب کچھ خوفزدہ کر دینے والے ماحول میں کیا جاتا ہے۔ مزید برآں ایک دفعہ مذہب تبدیل کر لینے کے بعد، وہ دوبارہ

مذہب کی جبری تبدیلیوں کا اہم ترین جزو وہ مقصد ہے جس کے تحت کسی دوسرے کو بتائے بغیر اور اس کی مرضی ومنشاء کے بغیر اس کو نیا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اپنا آبائی مذہب اختیار نہیں کر سکتیں اس لئے کہ اسلام کی بجائے کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنا مرتد ہو جانا تصور کیا جائے گا جس کی سزا موت ہے۔ اشتراک کا دائرہ اثر پیدا ہوتی ضرورت کے بارے میں شعور پیدا کرتا ہے تا کہ ایسے مقدمات کے ساتھ اسی طرح نپٹا جا سکے کہ اس نفرت انگیز اور ناگوار طریقہء کار کو ختم کیا جا سکے۔

تبدیلی مذہب کو روکنے کا قانون

مذہب کی جبری تبدیلی کے معاملات کے پہلوؤں سے متعلق مختلف قوانین کی مختلف شقیں ہیں۔ ان میں وہ قوانین بھی شامل ہیں جن کا تعلق جبری شادی، بچپن کی شادی، خاتون کو شادی کرنے پر مجبور یا راغب کرنا، اغواء برائے تاوان، جبری مشقت، دھمکی دینے اور تذلیل کرنے سے ہے۔ ان قوانین میں سندھ چائلڈ میرج رجسٹریشن ایکٹ مجریہ 2013ء جبری شادی کے خلاف 1860ء کا پاکستان تعزیری ضابطہ 498بی، زنا بالجبر کے خلاف 1860ء کا پاکستان تعزیراتی ضابطہ 375 اور 376، تعزیرات پاکستان مجریہ 1860ء کی شق XVLA جس کا تعلق غیر قانونی حراست اور نظر بندی سے ہے۔ اغواء برائے تاوان یا خاتون کو شادی کے لئے مجبور کرنے سے متعلق تعزیرات پاکستان مجریہ 1860ء کی دفعہ 365بی، تعزیرات پاکستان کی دفعہ 361، قانونی سرپرستی سے تاوان کے لئے اغواء یا کسی اور سبب سے اغواء سے متعلق دفعہ 361 اور اور چودہ سال سے کم عمر کے فرد کو اغواء کرنے یا تاوان کے لئے اغواء کرنے سے متعلق تعزیرات پاکستان مجریہ 1860 کی دفعہ 364۔اے۔ شامل ہیں۔

تاہم ایسا کوئی قانون موجود نہیں ہے جس کے تحت مذہب کی جبری تبدیلی مذہب کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ مذہب کی جبری تبدیلی ایک واضح اور صریح جرم ہے۔ یہ ایک دانستہ جرم ہے۔ یعنی اس کا کوئی مقصد تو ہوتا ہے لیکن مختلف قسم کے عمل یا کارروائیاں اس سے منسلک ہوتی ہیں۔ اس دوران کہ جب موجودہ قوانین ایسے مختلف پہلوؤں کو چھوتے ہوں جو مذہب کی جبری تبدیلی کے مختلف واقعات سے متعلق ہوں تو ایسی صورت میں کوئی ایسا قانون موجود نہیں ہے جو ان جرائم کے مرکزی نکتہ کا موثر طور پر احاطہ کرتا ہو۔

مذہب کی جبری تبدیلیوں کا اہم ترین جزو وہ مقصد ہے جس کے تحت کسی دوسرے کو بتائے بغیر اور اس کی مرضی ومنشاء کے بغیر اس کو نئے مذہب کو اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے کے لئے جو ذرائع اور طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ قانون کی مختلف شقوں کے زمرے میں آتے ہوں لیکن جبری مذہبی تبدیلیوں کے واقعات میں اضافہ کے باعث یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ایسی قانونی شق متعارف کروائی جائے جس کے تحت اس عمل کو جرم قرار دیا جائے۔ جبری مذہبی تبدیلیوں کے مقدمات کی سماعت کے دوران جو اہم مسائل سامنے آئے ہیں، ان میں سب سے اہم وہ انداز اور طریقے ہیں جو ایسے مقدمات کی سماعت اور ان کی تفتیش کے دوران استعمال کئے جاتے ہیں۔

مزید برآں معیاری طریقوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اب یہ انفرادی ججوں پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح ان مقدمات سے نپٹتے ہیں۔ تاہم اب تک جن مقدمات کے فیصلے سامنے آئے ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر فیصلوں میں ججوں کا تعصب صاف نظر آتا ہے۔ اس کے باعث ایک ہی نوعیت کے مختلف مقدمات کے فیصلے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور مذہب کی جبری تبدیلی کے کشتگان کو مختلف ججوں کے مختلف رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ایسا طریقہء کار وضع کیا جائے جس سے مذہب کی جبری تبدیلی مذہب کے مقدمات کی تفتیش اور ان سے متعلق مقدمات کی سماعت منصفانہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے ظلم کا شکار ہونے والوں کو مناسب تحفظ اور حمایت بھی حاصل ہو۔

اس مقصد کے لئے ایک ایسے قانون کو متعارف کروانے کی ضرورت ہے جس کے تحت مذہب کی جبری تبدیلی کو قابل سزا جرم قرار دیا جائے لیکن یہ بھی وقت کی ضرورت ہے کہ مذہب کی جبری تبدیلی کی تعریف میں آنے والی تمام شکلوں کو اس قانون کے تحت قابل تعزیر قرار دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس بات کو بھی یقینی بنانے کی ضرورت ہے کہ تشدد، نسل اور جنسی بنیاد پر تفریق اور استحصال کے مرتکب افراد کا ساتھ دینے والوں کو بھی سزا ملے۔

(انگریزی سے ترجمہ۔ بشکریہ دی نیوز)

تعلیم، ریاست اور نجی شعبہ

پاکستان میں بچوں کی ایک بہت بڑی تعداد سکولوں میں نہیں جاتی۔ ایک نمایاں لیکن متعلقہ مسئلہ یہ ہے کہ وہ بچے جو سکولوں میں جاتے ہیں، ان میں سے اگر اکثر نہیں تو متعدد ایسے ہیں جن کی تعلیمی استعداد کی سطح پست رہ جاتی ہے۔ بہت سے بچوں کے بارے میں لگتا ہے کہ وہ لکھنے پڑھنے کی بنیادی صلاحیت یا بنیادی حساب دانی سے بھی عاری رہ جاتے ہیں یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ سوچنے سمجھنے کی بہتر صلاحیتیں حاصل کئے بغیر ہی سکول میں دس سال گزار دیتے ہیں۔ لیکن ایک بات بہرحال واضح ہے کہ تعلیم کے میدان میں جو چیلنج درپیش ہے اس کا تعلق تعلیم تک رسائی کے ساتھ ساتھ تعلیمی معیار سے بھی ہے۔ دیکھا جائے تو ایک طرح سے اول الذکر کی بجائے موخر الذکر بنیادی چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر معیار کے کم سے کم پیمانے کی یقین دہانی نہیں کرائی جا سکتی تو پھر رسائی تو بے معنی ہو جاتی ہے اور اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ ایسا نہیں ہے کہ معیار کے چیلنج کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا ہو۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر بھرپور توجہ دی جائے۔

اس چیلنج کا ایک جواب یا نتیجہ تو متوقع وقت سے بھی کافی پہلے سامنے آیا اور وہ بھی ٹرسٹ یا خیراتی اداروں کی طرف سے چلائے جانے والے نجی سکولوں کی صورت میں۔ مشنری سکول اور کالج تو پہلے ہی سے موجود ہیں۔ 1947ء کی ایجوکیشن کانفرنس کی روئداد اور دوسری متعلقہ دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے قیام کے وقت پر ریاست شعبہ تعلیم میں نجی شعبہ کے کردار کے بارے میں مثبت رویہ رکھتی تھی۔ تاہم ریاست اس معاملے میں اپنی ذمہ داری کا بھی بھرپور احساس رکھتی تھی۔ پاکستان کے اس وقت کے وزیر تعلیم فضل الرحمٰن نے نجی شعبہ کی شرکت کے حوالے سے کہا کہ نجی شعبہ کو وہ بوجھ اٹھانے کے لئے حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر آگے آنا ہوگا جو موجودہ منصوبے نے ہم پر تھوپ دیا ہے۔

دس سال بعد 1958ء میں ایوب خان نے تعلیم پر کم رقم خرچ کرنے کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا''...... ہمارے شہریوں کو اپنے روحانی اور مادی وسائل پر انحصار کرنا چاہئے اور حکومت سے کسی مہربانی کی توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ انہیں ایسا ماحول اور ایسے ادارے مہیا کرے جن کی وہ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے اور اپنی کمیونٹی کے لئے خواہش کرتے ہیں...... اچھی تعلیم مہنگی ہے اور تعلیم کی توسیع کا مطلب مزید اخراجات ہے۔ لوگوں کو یہ حقیقت جاننی چاہئے کہ تعلیم سے وہ خود اور ان کے بچے فیض یاب ہوتے ہیں اس لئے اس کے حصول کے لئے خود انہیں ہی قربانیاں دینی چاہئیں''۔

اس قسم کے موقف اختیار کرنے کا واضح مطلب یہی ہے کہ حکومت تعلیم کو عام کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی اور اس بوجھ کو بانٹنے کے عمل میں شریک ہونے کے لئے تیار نہیں تھی۔ جزئیات سے قطع نظر حکمرانوں کی یہ سوچ تعلیم کے

دس سال بعد **1958**ء میں ایوب خان نے تعلیم پر کم رقم خرچ کرنے کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا''...... ہمارے شہریوں کو اپنے روحانی اور مادی وسائل پر انحصار کرنا چاہئے اور حکومت سے کسی مہربانی کی توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ انہیں ایسا ماحول اور ایسے ادارے مہیا کرے جن کی وہ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے اور اپنی کمیونٹی کے لئے خواہش کرتے ہیں...... اچھی تعلیم مہنگی ہے اور تعلیم کی توسیع کا مطلب مزید اخراجات ہے۔ لوگوں کو یہ حقیقت جاننی چاہئے کہ تعلیم سے وہ خود اور ان کے بچے فیض یاب ہوتے ہیں اس لئے اس کے حصول کے لئے خود انہیں ہی قربانیاں دینی چاہئیں''۔

حوالے سے ریاست کی سوچ اور بصیرت کو واضح کرتی ہے۔ بہرحال اس ریاستی موقف سے آزادی کے فوری بعد کے برسوں کے دوران تعلیم کے حوالے سے نجی شعبہ کو فوری طور پر فروغ نہیں ملا۔ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے وسط سے نجی تعلیمی شعبہ کے کردار کے حوالے سے تحفظات سامنے آنا شروع ہو گئے تھے جس کے نتیجے میں 1972ء میں تمام نجی سکولوں (مذہبی مدرسوں کو چھوڑتے ہوئے) کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ اس پالیسی کے تحت نصابی کتب کی اشاعت کا کام بھی خود حکومت نے سنبھال لیا۔

1979ء میں قومی تحویل میں لینے کی پالیسی کو کالعدم کر کے پرانی پالیسی کو اختیار کر لیا گیا۔ اس سے تعلیم کے میدان میں نجی شعبہ کے وسیع کردار کے لئے راستہ کھل گیا۔ 1979ء کی نیشنل ایجوکیشن پالیسی (این ای پی) اپنی پہلے والی حالت پر واپس چلی گئی یعنی حکومت اپنے طور پر تعلیم کی سہولت مہیا نہیں کر سکتی بلکہ اس مقصد کے لیے اس کو نجی شعبے کی ضرورت ہے جو اس کے بوجھ کی شراکت دار بنے۔ این ای پی 1992ء نے تو اس صورتحال پر سخت افسوس کا اظہار کیا کہ ابھی تک سرکاری تعلیمی اداروں اور نجی تعلیمی اداروں کے درمیان 70:30 کا تناسب موجود ہے۔ یعنی سو میں سے 70 سکول سرکاری جبکہ 30 سکول نجی شعبہ میں کام کر رہے ہیں۔ اگر نجی سکولوں کی تعداد میں اضافہ اسی طرح جاری رہتا تو یہ تناسب اب تک پچاس فیصد ہو چکا ہوتا۔ 1992ء اور 1998ء کی قومی تعلیمی پالیسی (این ای پی) سے ظاہر ہوتا ہے کہ نجی تعلیمی شعبہ میں مزید وسعت آئی ہے اور اس کی وجہ مختلف قسم کی ترغیبات کی پیشکش اور ٹیکس میں چھوٹ ہے۔ این ای پی 1992 سے درج ذیل مثال سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے:

''حکومت تعلیم کے فروغ میں نجی شعبہ کی بھرپور شرکت کی خواہشمند ہے۔ اس حوالے سے تیار کی گئی پالیسی میں جو ترغیبات رکھی گئی ہیں اور صوبائی و قومی سطح پر قائم کی جانے والی تعلیمی فاؤنڈیشنوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ نجی شعبہ میں تعلیم کے فروغ کو وسعت دیں اور خصوصاً دیہی علاقوں کو اس سے مستفید کریں۔ نجی تعلیمی اداروں کو مالی امداد کے ساتھ ساتھ ٹیکسوں میں رعایت بھی دی جائے گی۔ ایک سو ملین روپے کے ادا شدہ سرمایہ یا اس سے زیادہ سرمایہ والی کمپنیوں کے لئے قانونی طور پر ضروری ہوگا کہ وہ اپنے سرمائے سے ثانوی تعلیمی ادارے قائم کریں اور انہیں چلائیں''۔

این ای پی 1998ء نے بھی دیہی علاقوں میں نجی اداروں کی طرف سے سکول کھولنے کی حوصلہ افزائی پر زور دیا ہے۔ نجی شعبے میں شرکت کی طرف جھکاؤ کو نیشنل ایجوکیشن سیکٹر ریفارم (ای ایس آر) پلان (2001-2006)ء میں محفوظ کیا گیا تھا جسے مشرف حکومت نے متعارف کروایا تھا۔ اس پلان میں سرکاری اور نجی (پبلک۔ پرائیویٹ پارٹنر شپ) ساجھے داری یا شراکت کی حمایت کی گئی ہے اور کہا گیا کہ ''تعلیم سب کے لئے'' (ایجوکیشن فار آل ای ایف اے) اور میلینیم ڈویلپمنٹ گولز (ایم ڈی جی) کے تحت جن تعلیمی اہداف کے حصول کا وعدہ کیا گیا تھا انہیں طے شدہ وقت کے دوران حاصل کیا جائے گا۔ ای ایس آر میں نجی شعبہ کو بہت سی ترغیبات دی گئی ہیں تا کہ تعلیم کے شعبہ میں بھی نجی شعبہ بھرپور شرکت کرے۔

ترغیبات میں ٹیکسوں کی ادائیگی میں معافی، تعلیمی اشیاء کی درآمد پر کسٹم ڈیوٹی کی معافی، حکومت کی طرف سے اراضی کی فراہمی یا کم قیمت پر اراضی کی فراہمی کے ساتھ ساتھ کم قیمت پر بجلی، پانی، ٹیلی فون جیسی اہم سہولتوں کی فراہمی شامل تھی۔ ای ایس آر نے نہ صرف یہ کہ پارٹنرشپ پروگرام کا آغاز کیا بلکہ اس کو استحکام مہیا کیا۔ اس پروگرام میں سہ پہر کے سکول سسٹم پروگرام کے ذریعے کمیونٹی کی شرکت سے سکولوں کو اپ گریڈ کیا گیا۔ اس کے علاوہ سرکاری سکولوں میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے پروگرام، سکولوں کی انتظامی کمیٹیوں کی صلاحیت کو تقویت پہنچانے اور تعلیمی فاؤنڈیشنوں کے جاری کئے گئے متعدد پروگراموں کے پھیلاؤ میں ہر قسم کی امداد مہیا کی گئی۔

تعلیم کو نجی ملکیت میں دینے کے رجحان میں پچھلی صدی کی آٹھویں اور نویں دہائیوں میں کافی تیزی رہی۔ کسی حد تک اس عمل کو عالمگیریت کے نتیجہ کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو اس جدید معتدل سوچ کے حوالے سے بھی دیکھا جاسکتا ہے جس کی باگیں ریگن۔ تھیچر کی جوڑی کے ہاتھوں میں تھیں جبکہ پاکستان میں ضیاء کی حکومت اس سوچ کے تابع تھی۔ عمومی طور پر نجی شعبے میں سکولوں کی تعداد میں اضافے کا سبب ان اصلاحات کی ناکامی بھی ہے جو سرکاری سکولوں کے ذریعے تعلیم تک رسائی کے لئے عمل میں لائی گئیں۔ 1990ء میں (ای ایف اے) ''تعلیم سب کے لئے'' کے حوالے سے جو متفقہ رائے سامنے آئی، اس کے نتیجے میں دو دہائیوں میں ہونے والی اصلاحات کے باوجود لاکھوں بچے سکول نہیں جاسکے اور جو بچے سکول میں گئے، وہ بھی کچھ زیادہ حاصل نہیں کر پائے اور ان کی تعلیمی استعداد قابل ذکر نہیں رہی۔ چنانچہ تعلیم کی بڑھتی ہوئی مانگ کو حکومت کی بجائے منافع کمانے والے نجی شعبہ نے پورا کیا۔

نجی شعبے کا گہرائی سے تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے اندر موجود تقسیم معاشرتی سطح پر سماجی و اقتصادی عدم مساوات سے بہت حد تک مشابہ ہے۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ نجی سکول کی فیس کا ڈھانچہ کیسا ہے۔ ان نجی سکولوں کی فیس ڈھائی سو روپے ماہوار سے لے کر پچاس ہزار روپے ماہانہ تک ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم فیسوں والے نجی سکول بچوں کی زیادہ تعداد کو تعلیم مہیا کر رہے ہیں۔ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ''لوکاسٹ پرائیویٹ سکول'' اس وقت سکول جانے والے بچوں کی ایک تہائی تعداد کو تعلیم دے رہے ہیں اور ان سکولوں میں اساتذہ کی تعداد سرکاری سکولوں کے اساتذہ سے کسی صورت کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہوگی۔ تاہم پورے ملک میں نجی تعلیمی اداروں کے ذریعے دی جانے والی تعلیم کا حجم ایک جیسا یا یکساں نہیں ہے۔ صوبوں کے درمیان اس حوالے سے بہت تفاوت موجود ہے۔ اس کے علاوہ شہری علاقوں میں نجی سکولوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وسطی پنجاب اور سندھ کے خوشحال شہری مراکز میں تو یہ بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ دیہی سندھ اور بلوچستان کے زیادہ تر حصے میں ان کی موجودگی بہت کم ہے۔ پنجاب کے دیہی اور شہری دونوں علاقوں میں جہاں نجی شعبہ بھرپور طریقے سے موجود ہے، دیکھنے میں آیا ہے کہ نجی تعلیمی ادارے شہری اور

> تعلیم کو نجی ملکیت میں دینے کے رجحان میں پچھلی صدی کی آٹھویں اور نویں دہائیوں میں کافی تیزی رہی۔ کسی حد تک اس عمل کو عالمگیریت کے نتیجہ کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو اس جدید معتدل سوچ کے حوالے سے بھی دیکھا جاسکتا ہے جس کی باگیں ریگن۔ تھیچر کی جوڑی کے ہاتھوں میں تھیں جبکہ پاکستان میں ضیاء کی حکومت اس سوچ کے تابع تھی۔ عمومی طور پر نجی شعبے میں سکولوں کی تعداد میں اضافے کا سبب ان اصلاحات کی ناکامی بھی ہے جو سرکاری سکولوں کے ذریعے تعلیم تک رسائی کے لئے عمل میں لائی گئیں۔

دیہی دونوں ہی علاقوں میں معاشرے کے معاشی طور پر نسبتاً خوشحال طبقات کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں تاکہ ان خاندانوں کے بچوں کو اپنے تعلیمی اداروں میں لے سکیں۔ ایسی شہری منڈیوں میں قائم تقریباً ایک جیسے تعلیمی اداروں کے درمیان بہت زیادہ فرق ہونے کے باوجود نجی شعبہ واضح طور پر تعلیم تک رسائی میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تعلیمی معیار اور آئین کی شق 25۔اے کے حوالے سے تعلیم تک یکساں رسائی کے حوالے سے اس کردار کو مزید کیسے مستحکم کیا جاسکتا ہے؟ بہرحال حال ہی میں متعارف کروائی گئی ترمیم کے باعث تعلیم تک مساوی اور منصفانہ رسائی کے حوالے سے ریاست کی وابستگی اور اس کی یقین دہانی اور زیادہ مضبوط ہوگئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کوئی فعال و توانا اور فزوں خیز نجی شعبہ، ریاست کی خواہش کے مطابق مفت اور معیاری تعلیم کیسے دے سکتا ہے؟ یہ تصور غلط ہے کہ کم خرچ والے نجی سکول (لوکاسٹ پرائیویٹ سکولز) کسی حد تک معیاری تعلیم مہیا کرتے ہیں جبکہ سرکاری سکولوں میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس طرح کی سوچ کے نتیجے میں اول الذکر کو ترجیحی اختیار حاصل ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سکول کم آمدنی والے خاندانوں کے بچوں کی بڑی تعداد کو تعلیم دیتے ہیں۔ سرکاری سکولوں میں بہت بڑی تعداد میں غریب بچے اب بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ باور کرانا مناسب ہوگا کہ کم ترین آمدنی والے خاندانوں کے بچے کم خرچ والے سکولوں میں بھی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ اس سوچ کے نتیجے میں غیر اہم سماجی گروپ سے تعلق رکھنے والے بچے مزید غیر اہم گردانے جانے لگتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں سماجی یک جہتی، لچک اور نرمی کی ضرورت ہے۔ حق، انصاف یا برابری کا مطلب محض تعلیم تک رسائی نہیں بلکہ اس کا مطلب معیار بھی ہے یعنی معیاری تعلیم تک رسائی، عمومی طور پر نجی سکولوں میں دی جانے والی تعلیم کے معیار کے مترادف ہوگئی ہے اور یہ کوئی بے بنیاد مفروضہ نہیں ہے۔ بہت سے مطالعاتی تجزیے شہادت دیتے ہیں کہ نجی سکولوں کے بچے سرکاری سکولوں کے بچوں کی نسبت بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

بہرحال مسئلہ یہ ہے کہ سرکاری سکول معیار کی جانچ کے لئے حدود کی نشان دہی صحیح طور پر نہیں کر پاتے۔ چنانچہ کم خرچ والے سکولوں اور سرکاری سکولوں کے درمیان اگر معیار کی تمیز کسی اہمیت کی حامل ہوسکتی ہے تو پھر اس حوالے سے ایل سی پی ایس میں دی جانے والی تعلیم معیار کے اعتبار سے مروجہ تعلیمی معیار سے کہیں کم ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ان سکولوں سے فارغ التحصیل ہونے والے بچوں کا معیار کیا ہے تو معلوم ہوگا کہ سرکاری اور نجی شعبہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ کلی تعلیم اور قلب ماہیت کر دینے والے علم کے حوالے سے دونوں شعبے ایک جیسے ناکارہ ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل معاملہ سرکاری شعبے کے ساتھ ساتھ نجی شعبہ کو بہتر کرنا ہے۔ سرکاری شعبہ کے سکولوں میں تعلیمی معیار کو بہتر کرنے کے لئے کیا حکمت عملی بنائی جائے اور اس کے لئے کیا اقدامات ضروری ہیں یہ اس رپورٹ کے اطلاق کے دائرے میں نہیں آتے۔ نجی تعلیمی اداروں میں معیاری تعلیم کو یقینی بنانے کی شرط جو بہرحال کافی نہیں لیکن ضروری ہے، یہ ہے کہ سرکاری شعبہ ایسا ہونا چاہئے جہاں معیاری تعلیم مہیا کی جاتی ہو۔ اس کا تعلق مارکیٹ کی ضروریات کی مطابقت سے ہے۔ نجی تعلیمی اداروں کی نشوونما کے لئے انہیں اپنے مدمقابل اداروں کی نسبت بہتر ہونا پڑے گا۔ اس لئے کہ سرکاری سکولوں میں بہتری نہیں آتی تو پھر نجی شعبے کے تعلیمی اداروں میں بھی معقول حد تک بہتری نہیں آئے گی اس لئے کہ مقابلے کی فضا ہی نہیں ہوگی۔ جہاں تک نجی سکولوں کے آپس کے مقابلے کا تعلق ہے تو اس حوالے

نجی تعلیمی شعبہ کے بارے میں بنیادی معلومات کی کمی کے باعث اس کے فروغ کے پیمانے ناکافی اور غیر متناسب ہیں۔ اس کا مقصد پاکستان میں نجی تعلیمی شعبہ کے ساتھ ریاستی تعلق کے حوالے سے ہونے والے بحث مباحثہ کے بارے میں مطلع کرنا ہے۔اس نے کچھ سیاسی اور دق کرنے والے سوالات کھڑے کردیئے جن پر وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے پالیسی سازوں اور متعدد بین الاقوامی شراکت داروں کو توجہ دینی چاہئے اس لئے کہ وہ اپنی حکمت عملی کے تحت نجی شعبہ کے ساتھ کام کرتے ہیں۔اس رپورٹ کو بڑے مسائل اور ایسے چیلنجوں کا مخفف سمجھنا چاہئے جن کا سامنا رسائی اور معیار کے حوالے سے حکومتوں کو کرنا پڑتا ہے۔اس کی بنیاد اس سوچ پر رکھی گئی ہے کہ سرکاری اور نجی دونوں طرز کے سکولوں میں ایکویٹی اور تعلیمی انصاف کو بہتر بنایا جائے گا اور یہ کام سوال اٹھا کر، رکاوٹوں کی نشاندہی کرکے اور پالیسی متبادلات کو واضح کرکے کوائف کی شہادت کی بنیاد پر ہونے والے بحث ومباحثہ کے ذریعے کیا جا سکے گا۔

سے یہ کہنا آسان نہیں ہوگا کہ نجی سکولوں کے درمیان مقابلے کے باعث کم خرچ نجی تعلیمی اداروں کے تعلیمی معیار میں کوئی نمایاں بہتری آتی ہے۔نجی شعبہ میں قائم سکولوں میں طلبہ کی کارکردگی میں ڈرامائی بہتری آنی چاہئے تھی۔ یہ وہ تعلیمی ادارے ہیں جو گزشتہ دو دہائیوں سے پاکستان بھر میں قائم ہیں اور تعلیم مہیا کررہے ہیں۔

یہ رپورٹ نجی تعلیمی شعبہ کے حوالے سے تفصیلات بیان نہیں کرتی۔نجی سکول کس نوعیت کے ہیں،نجی سکولوں کی ایسوسی ایشن اور انہیں امداد دینے والے دوسرے گروپ کس قسم کے ہیں، وہ کیا کام کرتے ہیں، یہ رپورٹ اس کے بارے میں پڑھنے والوں کو آگاہی نہیں دیتی۔اس کے برعکس ریاست آئین کے آرٹیکل 25-اے کے تحت محض اپنے آئینی فرائض پورے کرنے کے نام پر نجی شعبہ کے ساتھ مختلف طریقوں سے خود کو مشغول اور مصروف رکھتی ہے۔نتیجتاً رسائی اور معیار دونوں حوالوں سے اس رپورٹ کا مرکزی موضوع غیر جانبداری اور انصاف ہے۔

رپورٹ بتاتی ہے کہ نجی تعلیمی شعبہ کے بارے میں بنیادی معلومات کی کمی کے باعث اس کے فروغ کے پیمانے ناکافی اور غیر متناسب ہیں۔اس کا مقصد پاکستان میں نجی تعلیمی شعبہ کے ساتھ ریاستی تعلق کے حوالے سے ہونے والے بحث مباحثہ کے بارے میں مطلع کرنا ہے۔اس نے کچھ سیاسی اور دق کرنے والے سوالات کھڑے کردیئے جن پر وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے پالیسی سازوں اور متعدد بین الاقوامی شراکت داروں کو توجہ دینی چاہئے اس لئے کہ وہ اپنی حکمت عملی کے تحت نجی شعبہ کے ساتھ کام کرتے ہیں۔اس رپورٹ کو بڑے مسائل اور ایسے چیلنجوں کا مخفف سمجھنا چاہئے جن کا سامنا رسائی اور معیار کے حوالے سے حکومتوں کو کرنا پڑتا ہے۔اس کی بنیاد اس سوچ پر رکھی گئی ہے کہ سرکاری اور نجی دونوں طرز کے سکولوں میں ایکویٹی اور تعلیمی انصاف کو بہتر بنایا جائے گا اور یہ کام سوال اٹھا کر، رکاوٹوں کی نشاندہی کرکے اور پالیسی متبادلات کو واضح کرکے کوائف کی شہادت کی بنیاد پر ہونے والے بحث ومباحثہ کے ذریعے کیا جا سکے گا۔اس کا مقصد اس وقت حاصل ہوگا جب یہ سرکاری اور نجی شعبوں کے درمیان مماثلت یا مشابہت پر مختلف آرا پیدا کرنے والے مباحثہ کو آگے بڑھائے اور دونوں شعبوں میں ایکویٹی اور بہتری کو یقینی بنائے۔

رپورٹ کے مندرجات نجی شعبہ سے متعلق ان جامع جائزوں سے حاصل کئے گئے ہیں جن کی بنیاد موجود تحقیق پر ہے جو بین الاقوامی سطح پر اور پاکستان میں کی گئی۔اس کے علاوہ ان کا مواد ان دستاویزات اور منصوبوں، امداد دینے والے اداروں کی منصوبوں سے متعلق دستاویزات اور بنیادی معلومات حاصل کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ ٹیم نے پنجاب، سندھ اور اسلام آباد کے معلومات رکھنے والے اہم ترین افراد کے ساتھ ملاقاتیں اور گفتگوئیں کیں۔ان افراد کا تعلق حکومتی اداروں خصوصاً محکمہ تعلیم اور نجی تعلیم کو ریگولیٹ کرنے والے اداروں سے ہے۔اس کے علاوہ انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ پارٹنرز، ایجوکیشن فاؤنڈیشنز پرائیویٹ سکولز ایسوسی ایشنز، لوکاسٹ پرائیویٹ سکولز خصوصاً وہ سکول جنہیں فاؤنڈیشنز مالی امداد مہیا کرتی ہیں اور سول سوسائٹی سے ان افراد کا تعلق تھا۔اس رپورٹ کے اہم ابواب موجودہ مسائل کے حوالے سے ہیں۔

ایکویٹی یا غیر جانبداری کو توجہ کا مرکز بناتے ہوئے رپورٹ کا دوسرا باب ایکویٹی یا غیر جانبداری کے تصور سے متعلق ہے۔اس کا آغاز ایکویٹی کی قابل عمل توضیح سے ہوتا ہے جس کے بعد ریاست کے طریق کار پر بنیادی بحث کی گئی ہے جس کا مقصد رسائی اور معیار کے مساوی نجی تعلیم کی فراہمی ہے۔اگلے ابواب میں ان طریقہ ہائے کار پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔یہ باب کچھ اہم سوالات پر ختم ہوتا ہے جن پر پالیسی سازوں کو کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ سرکاری اور نجی شعبوں میں زیادہ ایکویٹی یا زیادہ غیر جانبداری کو یقینی بنایا جا سکے۔

تیسرا باب پاکستان بھر کے وسیع تعلیمی منظر نامے میں نجی شعبہ کی نمایاں خصوصیات کے حوالے سے بصیرت مہیا کرتا ہے۔یہ تناسب اور تعلیمی سطح تخصیص، علاقے اور مقام کے حوالے سے نجی شعبہ کے فروغ کے بارے میں تفصیلی خاکہ پیش کرتا ہے۔ یہ طلبہ کی کارکردگی کے معیار، سرکاری اور نجی شعبہ میں اساتذہ کے حالات اور نجی شعبہ میں قائم ان اداروں کے مالی وسائل کے بارے میں بتاتا ہے۔اس سے معلومہ مواد میں موجود ناموافقت بھی ظاہر ہوتی ہے جس سے معلومہ مواد کے حصول میں بہتری آتی ہے۔

چوتھا باب اس طریقہ کار کے بارے میں بصیرت مہیا کرتا ہے جس کے ذریعے سرکاری اور نجی شعبوں کے درمیان پارٹنرشپ کو تقویت ملنے کے علاوہ حمایت حاصل ہوتی ہے۔یہ باب پارٹنرشپ کی تمام تر وسعت کا احاطہ کرتا ہے جس میں نجی شعبہ کے سکولوں کو ملنے والی عوامی حمایت کے طریق کار بھی شامل ہیں۔یہ حمایت امدادی رقوم اور واؤچرز کی صورت میں ہوتی ہے۔اس حمایت کی ایک شکل سکول کی انتظامی ذمہ داری قبول کرنا اور مالی وسائل مہیا کرنا ہے۔یہ باب ہر طریقہ کار کو درپیش چیلنجوں اور خلل اندازیوں کے بارے میں تفصیلی مواد مہیا کرتا ہے۔

پانچواں باب تعلیمی معیار کے مختلف تناظر کے بارے میں ہے۔یہ دو وقیع تعریفوں یا توضیحات کے جائزے سے شروع ہوتا ہے۔پہلا ہمہ جہت اور توانا مرکز نگاہ اور دوسرا تعلیم کے نتائج اور طلبہ کے مطالعے سے حاصل کردہ عمل کے معیار پر توجہ۔اس سے پھر معیار کے تناظر واضح ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ حکومت، امداد دینے والوں، فاؤنڈیشنوں کے کام میں جڑت اور والدین کی سوچ کو اس کے قریب تر لانے میں مدد ملتی ہے۔یہ حصول علم میں استعمال ہونے والے طریقوں کے معیار اور نجی اور سرکاری سکولوں کے درمیان مماثلتوں کو تلاش کرنے سے معیار کے متاثر ہونے کے بارے میں بات کرتا ہے۔اور آخری بات یہ کہ یہ حصہ تعلیم دینے کے طریق کار کو جانچنے کے اثرات پر بحث کرتا ہے۔

چھٹا باب ریگولیشن کے مسئلہ پر توجہ مبذول کراتا ہے۔یہ نجی سکولوں میں دی جانے والی تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر موجود قواعد وضوابط کا احاطہ کرتا ہے۔یہ موجود ریگولیٹری پالیسیوں کی موجودہ صورت کے علاوہ پاکستان میں ریگولیٹری پالیسیوں پر عملدرآمد کا بھی جائزہ لیتا ہے۔ یہ باب موثر ریگولیشن کو درپیش چیلنجوں کا احاطہ کرنے کے علاوہ ان چیلنجوں کا سامنا کرنے کی تجاویز بھی پیش کرتا ہے۔

(SHANE رپورٹ کے ایک باب کا اقتباس،
انگریزی سے ترجمہ)

'مذہبی اقلیتوں کا تحفظ: ریاست اور معاشرے کا کردار'

کراچی 30 جون کو مذہبی اقلیتوں کے تحفظ پر منعقدہ ایک سیمینار میں معاشرے کے بعض طبقات کی جانب سے طاقت کے عدم توازن سے نمٹنے کے لیے ایک جامع منصوبہ پیش کیا گیا۔

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ (پائلر) کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے اس سیمینار کا عنوان تھا 'مذہبی اقلیتوں کا تحفظ: ریاست اور معاشرے کا کردار'۔ اس سیمینار کے مقررین نے پاکستان میں اقلیتوں کے اختیارات کو مضبوط بنانے کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ جیسا کہ بہت سے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس غفلت کی وجہ سے بڑے پیمانے پر املاک اور جانوں کا نقصان ہوا ہے۔ ایڈووکیٹ کلپنا دیوی جو تقریباً دو دہائیوں سے اقلیتوں کے حقوق کی لڑائی لڑ رہی ہیں، انہوں نے اپنی جدوجہد اور مذہبی اقلیتوں کو درپیش خطرات کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے کہا ''انہیں ملک کے شہری کے طور پر تسلیم کروانے کی جدوجہد صرف اس صورت میں کامیاب ہوسکتی ہے جب ریاست ہمیں تحفظ دینے والے قوانین مرتب کرے۔ اگر ہماری حیثیت کے لیے کسی قسم کی ترمیم کے بغیر فرسودہ آئین کی پیروی کی جاتی رہی تو ہمیں کبھی بھی یکساں مواقع اور تحفظ نہیں ملے گا۔'' اس موقع پر انہوں نے ایسے واقعات بیان کیے جن میں ان کے مذہب کو ان کے لیے شرمندگی کا باعث بنا دیا گیا تھا، یہاں تک کہ قانون کی عدالتوں میں بھی انہیں اور ان کے مؤکلوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا ''ہمیں فیملی لا کے مینویل میں ترامیم کی ضرورت ہے اور ہمیں لازمی طور پر اس سرزمین کی اولادیں تسلیم کیا جائے۔ ہم ہندوستانی نہیں ہیں، بلکہ پاکستانی ہیں۔'' فرنٹیئر کانسٹبلری سندھ کی پہلی خاتون اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ آفیسر شہلا قریشی نے مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے لیے سندھ حکومت کی جانب سے منظور کیے گئے مختلف بلوں کا تذکرہ کیا۔ ان میں پانچ فیصد کوٹہ متعارف کرانے، جبری طور پر مذہب کی تبدیلی کے خلاف قانون کی منظوری اور اسکولوں میں پڑھائے جانے والے نفرت انگیز مواد پر چھاپہ مار کارروائی شامل ہیں۔ انہوں نے کہا ''مذہبی اقلیتوں کو محفوظ پناہ گاہ فراہم کرنے کے لیے بہت سے اقدامات اُٹھائے گئے ہیں، تاہم ان کے نفاذ کا فقدان پایا جاتا ہے۔'' سماجی رہنما اور انسانی حقوق کے وکیلوں نے خاص طور پر مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں اس فقدان کو دور کرنے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالا ہے۔ کالم نگار قاضی شیخ نے میڈیا کو ایسا مواد نشر کرنے پر تنقید کا نشانہ بنایا جس سے مذہبی عدم برداشت پیدا ہوتی ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ ''اس طرح کے موضوعات پر ٹیلی ویژن سے ایسے بہت سے شوز مسلسل ٹیلی کاسٹ کیے جا رہے ہیں، جن کے نتیجے میں مذہبی اقلیتوں پر حملے ہوئے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ لاکھوں لوگوں کے لیے نشر ہونے والے ایسے مواد کی جانچ پڑتال کے لیے کوئی قانون موجود نہیں ہے؟'' اقلیتوں کے تحفظ میں مدد کرنے میں میڈیا کے کردار کو اجاگر کرتے ہوئے انہوں نے تجویز پیش کی کہ میڈیا پر قدامت پرستی کے بیانیے کو کم اور رواداری کے پیغام کو پھیلانے کی ضرورت ہے۔ شہید ذوالفقار علی بھٹو انسٹیٹیوٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے ڈاکٹر ریاض شیخ نے اقلیتوں کی تشکیل کی نظریاتی وجوہات، اور کس طرح ایک جدید ریاست اکثریت اور اقلیت کے تصور کو نہیں اپناتی اور پاکستان کو اس رویے کو اپنانے کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ پاکستان مسلم لیگ ن کی سورتھ تھیبو نے اقلیتوں کے متعلق بڑے پیمانے پر جو تصور پایا جاتا ہے، اس پر سوال اُٹھایا۔ ان کے مطابق خواتین پاکستان کی آبادی میں مردوں کے تقریباً مساوی تعداد میں ہیں، لیکن اب بھی ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ سندھ کے بارے میں بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ سندھ کو صوفیوں کی سرزمین کہا جاتا ہے جہاں ہمیشہ سے کشادہ دلی کا رویہ موجود تھا، تاہم اب ایسا نہیں رہا۔

(بشکریہ ڈان)

مختلف واقعات میں تین افراد قتل

مـــــردان ضلع میں 8 اور 9 جولائی کے دوران مختلف واقعات میں تین افراد کو قتل کر دیا گیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ سواریان کے رہائشی شاہد نے تھانہ تورو کے اہلکاروں کو بتایا کہ وہ اور اس کا کزن نوید علی ایک مسجد کے باہر کھڑے تھے جب تلاوت شاہ اور اس کے بیٹے واحد شاہ وہاں پہنچے اور فائرنگ شروع کر دی جس سے اس کا کزن موقع پر جاں بحق ہوگیا۔ داپو کرونا کے رہائشی خادم شاہ کی رپورٹ پر درج ہونے والے ایک اور مقدمے کے مطابق، وہ اور اس کا بھائی جمشید تخت بھائی میں اپنے کپڑے کی دکان پر موجود تھے کہ اس دوران ایک نوجوان ان کے پاس آیا اور کپڑا خریدا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب انہوں نے گاہک سے پیسے مانگے تو اس نے ان کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا اور بعدازاں ان پر فائرنگ کر دی، جس سے اس کا بھائی جمشید جاں بحق ہوگیا۔ تھانہ شیرگڑھ میں ولایت شاہ کی رپورٹ پر درج ہونے والے ایک مقدمے میں کہا گیا ہے کہ معمولی گھریلو جھگڑے پر ایک خاتون کو اس کے گھر پر قتل کر دیا گیا۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

فائرنگ سے دو افراد جاں بحق

بـــٹ خیلـــہ لیویز کے اہلکاروں کا کہنا ہے کہ 8 جولائی کو بٹ خیلہ سے 7 کلومیٹر کے فاصلے پر خارتو تکان کے نواحی گاؤں کا رخانئی میں زمین کے تنازعے پر دو گروہوں میں تصادم کے نتیجے میں دو افراد جاں بحق اور دو خواتین سمیت پانچ افراد زخمی ہو گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ دونوں گروہوں کے درمیان سخت جملوں کا تبادلہ ہوا جس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں دونوں گروہوں سے تعلق رکھنے والے دو افراد مومن خان اور باچا محمد جاں بحق ہوگئے۔ فائرنگ کے تبادلے میں درویش، اس کی بیٹی آسیہ اور باچا محمد کی بیوی زخمی ہوگئی۔ نعشوں اور زخمیوں کو ڈسٹرکٹ ہسپتال بٹ خیلہ منتقل کر دیا گیا۔ بعدازاں پوسٹ مارٹم کے بعد نعشوں کو ورثا کے حوالے کر دیا گیا۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

تین افراد ہلاک

کوئٹہ کوئٹہ میں نامعلوم مسلح شرپسندوں کی فائرنگ سے 3 افراد ہلاک ہوگئے۔ پولیس ذرائع کے مطابق 6 جولائی کو نامعلوم شرپسندوں نے کوئٹہ کے جوائنٹ روڈ پر قائم پوسٹ آفس کے قریب فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں ایک پولیس اہلکار سمیت 3 افراد ہلاک ہوئے جبکہ واقعے کے بعد حملہ آور فرار ہوگئے۔ واقعے کی اطلاع پر پولیس اور ایف سی اہلکار موقع پر پہنچ گئے اور شواہد اکٹھے کر کے تفتیش کا آغاز کر دیا گیا، جبکہ لاشوں کو قانونی کارروائی کے لیے سول ہسپتال کوئٹہ منتقل کر دیا گیا۔ پولیس کے مطابق ہلاک ہونے والے 2 افراد کا تعلق ہزارہ برادری سے ہے جبکہ پولیس اہلکار کی شناخت کالا خان کے نام سے ہوئی ہے، واقعے میں ایک ہزارہ برادری سے تعلق رکھنے والی خاتون زخمی بھی ہوئیں۔ پولیس نے واقعے کو ٹارگٹ کلنگ قرار دیتے ہوئے بتایا کہ تمام مقتولین کو سر میں گولیاں لگیں۔ واقعے کے بعد علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا اور بازار اور دکانیں بند ہوگئی۔ گذشتہ روز بھی کوئٹہ کے باچا خان چوک پر ہونے والے بم دھماکے میں ایک شخص ہلاک اور 19 افراد زخمی ہوگئے تھے۔

(نامہ نگار)

پاکستان میں توہین مذہب: ہجوم کے ہاتھوں ایک مسیحی جوڑے کی ہلاکت کی داستان

4 نومبر 2014ء کو ایک ہجوم نے قرآن پاک کی بے حرمتی کے جھوٹے الزام پر شمع اور شہزاد (پاکستان میں زیادہ تر مسیحی صرف اپنے پہلے نام سے جانے جاتے ہیں) کو اینٹوں کے بھٹے میں جلا کر قتل کر دیا جہاں وہ رہتے تھے اور جہاں وہ گزشتہ 18 سالوں سے کام کر رہے تھے۔ ہجوم نے پہلے انہیں لاٹھیوں اور مکوں سے مارا پیٹا اور اس کے بعد وہ انہیں گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور انہیں اینٹوں کے بھٹے میں جلا ڈالا۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ جلائے جانے سے پہلے ان میں سے ایک یا وہ دونوں زندہ تھے۔

ایک ماہ بعد چک 59 جو لاہور سے محض 31 میل دور ہے، کی گلیوں میں صرف خاموشی تھی۔ گاؤں کے مکین جو مقتول جوڑے کے ساتھ رہتے تھے ان کا کہنا تھا کہ وہ انہیں نہیں جانتے تھے۔ ان کے ساتھ کام کرنے والے افراد کا کہنا تھا کہ حملے کے دن وہ اپنے رشتہ داروں کو ملنے گئے ہوئے تھے، دیگر کا کہنا تھا کہ وہ آشورہ کا جلوس دیکھنے گئے ہوئے تھے۔ دکانداروں سے لے کر پولیس تک، کسی نے بھی جاننا تو دور کی بات، اس بات کا بھی اعتراف نہ کیا کہ وہ کبھی شمع اور شہزاد سے ملے تھے۔ گاؤں کے زیادہ تر مکین حملے کے بعد فرار ہو گئے، اور جو وہاں رہ گئے تھے ان میں سے بہت سے پولیس کی زیر حراست تھے۔

تاہم اس خاموشی میں چھان بین کے دوران یہ معلوم ہوا 4 نومبر کی صبح گاؤں میں ہر کوئی یہ جانتا تھا کہ اس جوڑے کو قتل کرنے کے لیے ایک ہجوم تشکیل دیا جا چکا تھا اور کسی نے بھی.....حتیٰ کہ اس جوڑے نے بھی.....اسے روکنے کے لیے کچھ نہ کیا۔

65 سالہ نذیر مسیح نے اپنی زندگی کے گزشتہ دو عشرے بھٹوں پر ٹھیکیدار کے طور پر کام کرتے ہوئے گزارے تھے۔ اسے چک 59 میں بہت پسند کیا جاتا تھا اور ایک قابل احترام بزرگ ہونے کے ناطے اس نے گاؤں میں کئی تنازعات کا تصفیہ کرایا تھا۔

نذیر جو ایک مسیحی تھا، ایک روحانی شخص بھی تھا۔ اس نے گھر پر ایک بائبل اور قرآن رکھا ہوا تھا اور وہ ریٹائرمنٹ کے دنوں میں اپنا وقت تعویز اور زائچے بنانے میں گزارتا۔

29 اکتوبر کی صبح، دو ہفتوں تک آنتوں کی تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد نذیر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹوں میں اقبال، شہباز، سلیم، نواز اور فیاض اور شہزاد شامل ہیں جو ان میں سب سے چھوٹا تھا جس کے ساتھ وہ گجر بھٹے پر رہتا تھا۔ ایک کمرا نذیر کے پاس تھا جبکہ دوسرے کمرے میں شہزاد، شمع اور ان کے تین بچے رہائش پذیر تھے۔

دریں اثناء، بھٹے سے تقریباً ایک کلومیٹر دور گاؤں کی اینٹوں سے بنی تنگ گلیوں میں ایک عرس کی تیاریاں جاری تھیں اور مقامی مذہبی پیشواء نے ایک نامور بریلوی مسلمان سکالر محمد خادم حسین رضوی کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ایک مذہبی سیاسی جماعت کی جانب سے منعقد کی گئی اس تقریب میں لاہور سے تعلق رکھنے والے ایک شخص علم الدین کو خراج عقیدت پیش کیا گیا جس نے 1929ء میں توہین رسالتؐ پر مبنی ایک پمفلٹ کے ناشر کو چھرا گھونپ کر قتل کر دیا تھا۔ یہ متحدہ ہندوستان میں پیش آنے والے توہین مذہب کے چند مشہور واقعات میں سے ایک تھا۔ علم الدین نے رحم کی اپیل کی اور لاہور ہائی کورٹ میں بانی پاکستان محمد علی جناح سمیت کئی وکلاء نے اس کا دفاع کیا۔ علم الدین کو جرم کا قصوروار ٹھہرایا گیا اور اسے 31 اکتوبر 1929ء کو پھانسی دے دی گئی۔

اس کے پچاسی سال اور تین دن بعد نذیر کے کمروں میں شمع اپنے سسر کی زندگی کی باقیات کی صفائی کر رہی تھی۔ کمرے میں بنیادی آرائشی سامان موجود تھا اور ہر دیوار پکی مٹی سے ڈھکی ہوئی تھی اور کمروں کے لکڑی سے بنے دروازوں میں شگاف موجود تھے۔ نذیر کے کاغذات کے لیے کوئی کمرہ نہیں تھا۔ شمع نے انہیں گھر کے باہر ایک نالی میں رکھ کر جلا دیا، جیسا کہ دنیا کے اس حصے میں عام طور پر کوڑے کچرے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

بھٹے پر کام کرنے والے ایک شخص عرفان (جس کا آخری نام گاؤں میں کوئی نہیں جانتا) نے شمع کو کچرے کو آگ لگاتے ہوئے دیکھ لیا۔ رمضان حمید جو اپنی سائکل پر پھل اور سجاوٹی اشیاء بیچتا تھا وہ بھی اپنی اشیاء فروخت کرنے وہاں پہنچ گیا۔

عرفان ایک مسیحی نوجوان، جو مسلمان ہو چکا تھا، وہ شہزاد کے خاندان سے ناراض تھا۔ تین ہفتے پہلے اس کے اور شہزاد کے ایک بھتیجے کے درمیان بھٹے پر کام کرنے کی جگہ کی حدود کے معاملے پر تکرار ہوئی جو ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ آخر کار شہزاد کے بڑے بھائی نے معاملہ رفع دفع کرانے کے لیے مداخلت کی۔

عرفان نے شمع کو زائچے اور تعویز جلاتے ہوئے دیکھ لیا جو دیکھنے میں کاغذ کے ٹکڑے معلوم ہوتے تھے جن پر عربی زبان میں تحریریں درج تھیں۔ وہ رمضان حمید اور بھٹے کے سپروائزر افضل کے پاس گیا اور دعویٰ کیا کہ اس نے شمع کو ''قرآن پاک کی بے حرمتی'' کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پاکستان میں اس جرم کی سزا موت ہے۔

عرفان اور حمید نے قرآن پاک کی مبینہ بے حرمتی کی خبر پورے گاؤں میں پھیلا دی۔ حارث بشیر اور ریاض کمبوہ جن کا تعلق علاقے کے بااثر خاندانوں سے تھا، ان سے خاص طور

پر اس معاملے پر گفتگو کی گئی۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس مسئلے کو مقامی امام مسجد محمد حسین کے پاس لے جانے کا فیصلہ کس نے کیا۔ محض چار روز پہلے محمد حسین نے علم الدین کی یاد میں ایک عرس منعقد کیا تھا۔ مبینہ بے حرمتی کی خبر راتوں رات پورے علاقے میں پھیل گئی اور قریبی دیہات کے ملاؤں نے فجر کی نماز کے وقت یعنی چھ بجے کے قریب اس الزام کا اعلان کرنے کا منصوبہ بنایا۔

عینی شاہدین اور پولیس سے کیے گئے انٹرویو اور حملے کے بعد درج ہونے والی پولیس رپورٹ کے مطابق ملاؤں نے ایک فتویٰ تیار کیا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ قرآن کی بے حرمتی کرنے والوں کو اسی طرح جلایا جائے جس طرح انہوں نے مقدس کتاب (قرآن پاک) کو جلایا۔ سورج طلوع ہونے سے کچھ دیر پہلے شہزاد اور شمع کے گھر سے ایک کلومیٹر کے فاصلے

گزشتہ دس سالوں میں پاکستان میں چند ایسے مضحکہ خیز الزامات دیکھنے کو ملے جن میں بزنس کارڈ کو کوڑے میں پھینکنے (ملاقات کے لیے آنے والے کا نام محمد تھا)، ایک پولیس افسر کے خلاف نعرے لگانے (یہ پولیس افسر پیغمبر اسلامؐ کے ایک صحابیؓ کا ہم نام تھا)، ایک گاؤں میں پانی کے تنازعے، جج کی ایک غلطی، ایک بچے کا نام رکھنے اور حتیٰ کہ ایک جج کی جانب سے توہین مذہب کے ایک ملزم کی رہائی کو بھی توہین مذہب قرار دیا گیا۔

پر واقع ایک مقامی مسجد سے یہ اعلان کیا گیا جس میں تمام مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ قرآن پاک کی بے حرمتی کا انتقام لینے کے لیے گجر بھٹے پر جمع ہو جائیں۔

ایک مقامی شخص نے اپنی سلامتی کو لاحق خطرے کی وجہ سے نام ظاہر نہ کرنے کرتے ہوئے بتایا کہ ''مولوی نے لاؤڈ سپیکر بلکہ میں تو اسے کلاشنکوف کہوں گا اٹھایا اور ہوا میں گولیاں چلانا شروع کر دیں۔''

یہ اعلان جنگل کی آگ کی طرح ایک مسجد سے دوسری مسجد تک پہنچ گیا، اور آدھے گھنٹے کے بعد چک 59 اور چھ قریبی دیہات کے سینکڑوں مکین گجر بھٹے پر جمع ہوئے۔

سورج طلوع ہو چکا تھا اور شہزاد اور شمع کام پر جا چکے تھے۔

پاکستان کے توہین مذہب کے قوانین دراصل پاکستانی قوانین نہیں ہیں۔ پاکستان میں ضابطہ تعزیرات کے بیشتر قوانین کے علاوہ یہ قوانین بھی برطانویوں سے ورثے میں ملے تھے۔ برطانوی حکومت نے یہ قوانین 1860ء میں بنائے تھے تاکہ اس کے نوآبادیات کے تاج کے موتی کہلانے والے انڈیا میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے گروہی تناؤ کا خاتمہ کیا جا سکے۔

لیکن جہاں برطانویوں نے ان قوانین کا استعمال نہایت کفایت شعاری سے کیا، اور 1947ء سے پہلے صرف سات مقدمات درج ہوئے، وہاں پاکستان نے مبینہ توہین مذہب کی بنا پر سینکڑوں لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کی ہے۔ انسانی حقوق پر کام کرنے والی ایک تنظیم قومی کمیشن برائے امن و انصاف کے مطابق، 1977ء میں جب جنرل ضیاء الحق نے اسلامائزیشن کی مہم شروع کی، اس وقت سے لے کر اب تک توہین مذہب کے ایک ہزار سے زائد مقدمات درج کیے جا چکے ہیں۔

گزشتہ دس سالوں میں پاکستان میں چند ایسے مضحکہ خیز الزامات دیکھنے کو ملے جن میں بزنس کارڈ کو کوڑے میں پھینکنے (ملاقات کے لیے آنے والے کا نام محمد تھا)، ایک پولیس افسر کے خلاف نعرے لگانے (یہ پولیس افسر پیغمبر اسلامؐ کے ایک صحابیؓ کا ہم نام تھا)، ایک گاؤں میں پانی کے تنازعے، جج کی ایک غلطی، ایک بچے کا نام رکھنے اور حتیٰ کہ ایک جج کی جانب سے توہین مذہب کے ایک ملزم کی رہائی کو بھی توہین مذہب قرار دیا گیا۔

ان مقدمات کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جو کمرہ عدالت کے باہر لڑے جا رہے ہیں۔ 1990ء سے اب تک توہین مذہب کے کیسز کے نتیجے میں 65 سے زائد لوگوں کا ماورائے عدالت قتل کیا جا چکا ہے۔ اس فہرست میں نہ صرف وہ افراد شامل تھے جن پر توہین مذہب کا الزام عائد کیا گیا بلکہ چند واقعات میں ان کے خاندان اور سیکیورٹی گارڈز کو بھی نشانہ بنایا گیا۔

وکلاء کا کہنا ہے کہ ان قوانین کے مذہبی اقلیتوں کے خلاف زیادہ استعمال کیا جاتا ہے جن میں غیر مسلم اور اسلام کے اقلیتی فرقے دونوں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں، توہین مذہب کے الزامات پر مبنی نفرت انگیز جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو شاذ و نادر ہی انصاف کے کٹہرے میں لایا جاتا ہے جبکہ مبینہ توہین مذہب کا ارتکاب کرنے والوں کو تقریباً ہمیشہ مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

صرف گزشتہ سال کے دوران توہین مذہب سے متعلق ہلاکتوں میں ڈرامائی اضافہ دیکھنے میں آیا۔ توہین مذہب کے ملزمان کا دفاع کرنے والے وکلاء کو قتل کیا گیا۔ توہین مذہب کا ارتکاب کرنے والوں کو نہ صرف پولیس کی حراست میں بلکہ رہائی کے بعد بھی قتل کیا گیا۔ حتیٰ کہ ان قوانین میں اصلاحات کا مطالبہ کرنے والے مذہبی سکالروں کو بھی قتل کر دیا گیا۔

اور چک 59 میں ایک بھٹے پر شمع اور شہزاد کو مارا پیٹا گیا اور جلا کر قتل کر دیا گیا۔

یہ ایک شفاف صبح تھی اور چونکہ نومبر کا آغاز ہو چکا تھا اس

جس کمرے میں شمع اور شہزاد کو قید کر کے رکھا گیا وہ تقریباً **10x10** فٹ کا تھا اور اس میں تین بیڈ، ایک ٹیلی وژن اور ایک ڈی وی ڈی پلیئر موجود تھا۔ افضل اپنا زیادہ وقت یہیں گزارتا تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں شمع اور شہزاد نے اپنے آخری لمحات اکٹھے گزارے تھے۔

لئے ہوا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ شمع اور شہزاد اپنی ایک سالہ بیٹی پونم کو اپنے ساتھ بھٹے پر لے آئے تھے جہاں ان کی اجرت فی فرد چھ سو روپے یومیہ تھی۔ جلد ہی انہیں ایک اور فرد کی پرورش بھی کرنا ہوگی: شمع پانچ ماہ کی حاملہ تھی۔

بھٹے کے منتظم افضل نے شہزاد اور شمع کو تین کمروں والی ایک سفید رنگ کی مستطیل نما عمارت میں واقع اپنے دفتر میں بلایا۔ انہیں جلانے کے منصوبے کی اطلاع اس تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے میاں بیوی اور پونم کو ایک کمرے میں بند کر دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا وہ انہیں تحفظ فراہم کر رہا تھا یا اس بات کو یقینی بنا رہا تھا کہ وہ وہاں سے بھاگ نہ پائیں۔

شہزاد کے بڑے بھائی، اقبال، جو خود بھی بھٹہ پر کام کرتا تھا، کا کہنا ہے کہ اسے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ معاملات اس نہج تک پہنچ جائیں گے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ اور اس کا خاندان حملے سے پچھلی رات خطرے سے آگاہ تھا، لیکن انہوں نے اسے زیادہ سنجیدگی سے نہ لیا۔ جہاں تک اسے معلوم ہے، اس کے خاندان کا بہت احترام کیا جاتا تھا اور ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔

اقبال نے اس صبح کو یاد کرتے ہوئے کہا، ''میں نے کہا کہ مسئلہ کیا ہے؟ اپنے چار لوگ آپ لے آئیں اور چار ہم، پھر ہم بیٹھ کر اس پر بات کریں گے''۔

اب ساڑھے چھ بج چکے تھے، اور لوگ موٹر سائیکلوں اور ٹرالیوں پر سوار ہو کر وہاں پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ اقبال نے افضل سے التجا کی کہ وہ اس کے بھائی کو جانے دے۔ لیکن منتظم نے کہا کہ وہ ہدایات پر عمل کر رہا تھا: یا تو دو لاکھ روپے کا بندوبست کرو جو شہزاد نے بھٹہ مالک سے بطور قرض لئے تھے یا

انہیں قید ہی رہنے دو۔

باہر ہجوم بڑھ رہا تھا۔ ہجوم کی تعداد کے بارے میں مختلف اندازے لگائے گئے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی تعداد چھ سو تھی جبکہ کچھ کے مطابق یہ تعداد ہزاروں میں تھی۔ اقبال، جس کا خیال تھا کہ وہ ہجوم کو قائل کرے گا، نے دیکھا کہ اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ اور اس کی بیوی، جو اس وقت اس کے ہمراہ تھی، اپنی سلامتی کے لئے وہاں سے فرار ہو گئے۔

جس کمرے میں شمع اور شہزاد کو قید کر کے رکھا گیا وہ تقریباً 10x10 فٹ کا تھا اور اس میں تین بیڈ، ایک ٹیلی وژن اور ایک ڈی وی ڈی پلیئر موجود تھا۔ افضل اپنا زیادہ وقت یہیں گزارتا تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں شمع اور شہزاد نے اپنے آخری لمحات اکٹھے گزارے تھے۔

7:15 کے قریب ہجوم نے کمرے کے اس لوہے کے نیلے دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا جسے باہر سے افضل نے اور اندر سے جوڑے نے مقفل کر رکھا تھا۔ شہزاد اور شمع خاموش تھے۔ کلہاڑیوں سے مسلح کئی افراد نے چھت پر چڑھنا شروع

محمد علی کا کہنا ہے کہ ''جب میں دروازے کے قریب گیا تو وہ تالا توڑ چکے تھے، اور کچھ لوگ چھت کے ذریعے کمرے میں داخل ہونے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے انہیں بچانے کے لئے ثالث بننے کی کوشش کی لیکن لوگ انتہائی جنونی ہو چکے تھے۔'' ایک اور ضرب سے دروازہ کھل گیا اور شہزاد اور شمع کو گھسیٹ کر باہر لایا گیا۔ اس افراتفری کے دوران ان کی بیٹی پونم کو اس کی چچی نے بچالیا۔

کر دیا۔ کمرے کے باہر ملا ہجوم کو آگے بڑھنے کو کہہ رہے تھے جبکہ اس دوران اللہ اکبر کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔

گاؤں کے ایک نوجوان لیڈر حارث بشیر کافی سرگرم تھا۔ اس نے پولیس کو فون کیا لیکن عینی شاہدین اور پولیس میں اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہجوم کی قیادت وہی کر رہا تھا اور اس نے قرآن پاک کی مبینہ بے حرمتی کے لئے انصاف کے حصول کا تہیہ کر رکھا تھا۔ دیگر افراد کا کہنا ہے کہ وہ ہجوم کے اشتعال کو کم کرنے اور انہیں اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ جوڑے کے خلاف مقدمہ درج کرائیں۔

پولیس افسر محمد علی، جو گاؤں کے قریب تعینات تھا، وہ جائے وقوعہ پر پہنچنے والا پہلا حکومتی عہدیدار تھا۔ تاہم اس کے پانچ افسروں پر مشتمل دستے نے کوئی مداخلت نہ کی بلکہ وہ ایک محفوظ فاصلے سے یہ سب ہوتا ہوا دیکھتے رہے۔

اور پھر تالا ٹوٹ گیا

محمد علی کا کہنا ہے کہ ''جب میں دروازے کے قریب گیا تو وہ تالا توڑ چکے تھے، اور کچھ لوگ چھت کے ذریعے کمرے میں داخل ہونے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے انہیں بچانے کے لئے ثالث بننے کی کوشش کی لیکن لوگ انتہائی جنونی ہو چکے تھے۔''

ایک اور ضرب سے دروازہ کھل گیا اور شہزاد اور شمع کو گھسیٹ کر باہر لایا گیا۔ اس افراتفری کے دوران ان کی بیٹی پونم کو اس کی چچی نے بچالیا۔

ایک مقامی صحافی، ملک عبدالعزیز جو چند لمحے پہلے جائے وقوعہ پر پہنچا تھا، کا کہنا ہے کہ ''جیسے ہی دروازہ کھلا آدمی اور اس کی بیوی نمودار ہوئے۔ میں صرف ان کی ایک جھلک ہی دیکھ سکا۔ ہجوم بے قابو ہو گیا اور نعرے لگانے لگا، اور [وہ] نظروں سے اوجھل ہو گئے۔''

ہجوم نے شہزاد اور شمع کو لاتوں، مکوں اور لاٹھیوں سے مارتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ کیا۔ میاں بیوی زمین پر گر گئے، ان کے جسم خون آلود تھے۔

عزیز، جو واقعے کی فلم بندی کر رہا تھا، کا کہنا ہے کہ ''شمع زخموں سے چور تھی اور اس کے چہرے اور بازو خون آلود تھے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ جب ہزاروں افراد کا ریوڑ کسی کو روندتا ہوا گزر جائے تو وہ کیسا دکھائی دیتا ہے؟ انہیں دیکھ کر ایسا ہی لگتا تھا۔'' اس نے بتایا کہ ہجوم کے کئی افراد بھی موبائل کے ذریعے ویڈیو بنا رہے تھے۔

بہت سے عینی شاہدین کے مطابق جب ہجوم خاموش ہو گیا تو اس وقت شہزاد اپنے حواس کھو چکا تھا۔

بشیر ہجوم کو پیچھے ہٹنے کا کہتے ہوئے چلّایا، ''دیکھو تم نے کیا کر دیا! تم نے اسے مار ڈالا!''۔ جیسے ہی ہجوم پیچھے ہٹا تو شمع بمشکل اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی اور اپنا سانس بحال کرنے کے لئے قریب پڑی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ عزیز جو شمع کے بالکل پیچھے کھڑا تھا، کہتا ہے کہ شمع کے کپڑے خون سے تر تھے۔ اسے یقین ہے کہ شہزاد پہلے ہی اپنی آخری سانس لے چکا تھا اور وہ فرش پر شمع کے پہلو میں لیٹا ہوا تھا۔ اور پھر ہجوم نے ایک مرتبہ نعرے لگاتے ہوئے جوڑے پر حملہ کر دیا۔

محمد حسیب اس دن کو یاد کرتے ہیں جب انہوں نے 2013ء میں کراچی میں پہلی مرتبہ توہین مذہب کے ملزم کا دفاع کیا تھا۔

اپنے کئی سینیئر وکلاء کی نصیحت کے خلاف، اپنی دفاعی حکمت عملی کو جج کے سامنے رکھتے ہوئے، انہوں نے کھلی عدالت میں وہ جملہ دہرایا جسے لکھنے کا الزام ان کے موکل پر عائد کیا گیا تھا۔

''اور یہ توہین مذہب نہیں ہے،'' انہوں نے مزید کہا۔

کوٹ رادھا کشن میں مقامی پولیس کے سربراہ ہیں، کہتے ہیں کہ اس ضلع میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے باہمی تنازعات عام طور پر برادری کے قائدین اور گاؤں کے بزرگوں پر مشتمل روایتی مقامی کونسلوں کے ذریعے حل کئے جاتے ہیں۔ جب معاملہ عدالت میں پہنچ جاتا ہے تو ججوں پر یہ دباؤ ہوتا ہے کہ وہ توہین مذہب کے مقدمات میں ملزم کو قصوروار قرار دیں۔ ایسے مقدمات کی پیروی کرنے والے وکلاء اور پولیس کا کہنا ہے کہ ملاؤں اور دیگر افراد پر مشتمل ہجوم اکثر عدالت کے باہر احتجاج کر رہے ہوتے ہیں اور وہ ججوں کو دھمکاتے ہیں کہ اگر انہوں نے سزا نہ سنائی تو انہیں سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے۔

وہ بتاتے ہیں کہ کمرہ عدالت میں خاموشی چھا گئی۔ حتیٰ کہ ان کے کاتب کا قلم بھی رک گیا، اور جج کے علاوہ کمرے میں موجود ہر شخص ان کی جانب پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اور پھر، اس سکتے کو توڑنے کے لئے ایک پولیس محافظ نے ان کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے سرگوشی کی: ''کچھ اور کہیں، وکیل صاحب۔''

پاکستان میں ایک مبینہ توہین مذہب پر مبنی بیان کو دہرانا بھی توہین مذہب تصور کیا جاتا ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہے جو اصل بیان کی ہے۔

محمد حسیب، جن کا نام ان کی سلامتی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تبدیل کر دیا گیا ہے، انہوں نے اس وقت سے اب تک توہین مذہب کے متعدد افراد کا دفاع کیا ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ جس وقت وکیل دفاع کمرہ عدالت میں داخل ہوتے ہیں تو صورتحال فوری طور پر ان کے لئے ناموافق ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ایک ایسے نظام کے خلاف کام کر رہے ہوتے ہیں جو استغاثہ کے حق میں ہوتا ہے۔

حسیب اور دیگر وکلاء جو توہین مذہب کے مقدمات لڑ چکے ہیں، کہتے ہیں کہ جج استغاثہ کی جانب سے پیش کردہ توہین مذہب کی تعریف کو بلا ارادہ تسلیم کرنے کا رجحان رکھتے

ہیں، کیونکہ انہیں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ اس تعریف کو چیلنج کرنے کی صورت میں ان پر بھی توہین مذہب کا الزام عائد کیا جاسکتا ہے۔ نتیجے کے طور پر، وکیل دفاع کے پاس صرف دو ہی راستے باقی رہ جاتے ہیں: یہ بحث کرنا کہ توہین آمیز کلمات کہے گئے تھے یا نہیں یا پھر یہ درخواست کرنا کہ یہ دلیل پیش

یہ بات حیران کن نہیں کہ پاکستان میں توہین مذہب کے مقدمات میں سزا کی شرح زیادہ ہے اور یہ کہ ثبوت کے معیار پستی کی جانب مائل ہیں۔ مثال کے طور پر آسیہ نورین کے حالیہ مشہور مقدمے میں سماعت کرنے والی عدالت نے ملزمہ کو قصوروار قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم کے درمیان کوئی بھی بحث ''توہین مذہب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتی۔''

کرنا کہ اس کے موکل کی دماغی حالت ٹھیک نہیں۔

حسیب مزید کہتے ہیں کہ توہین مذہب کا ارتکاب کرنے کا الزام ''اقلیتوں کے سروں پر ہر وقت لٹکتی ہوئی تلوار'' جیسا ہے اور اس کا سہارا اس لئے لیا جاتا ہے تاکہ ذاتی جھگڑوں اور رقوم یا جائیداد کے تنازعات کا فیصلہ کیا جاسکے۔

محمد حسیب کہتے ہیں کہ ''اگر آپ کسی سے تین سال کے لئے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ قریبی تھانے جائیں اور آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ پولیس کو صرف یہ کہہ دیں کہ اس شخص نے مجھ سے یہ کہا ہے، یہ میرا گواہ ہے۔۔۔ اور پولیس اسے گرفتار کرلے گی۔''

ملک شمشیر کوٹ رادھا کشن میں مقامی پولیس کے سربراہ ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ اس ضلع میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے باہمی تنازعات عام طور پر برادری کے قائدین اور گاؤں کے بزرگوں پر مشتمل روایتی مقامی کونسلوں کے ذریعے حل کئے جاتے ہیں۔ جب معاملہ عدالت میں پہنچ جاتا ہے تو ججوں پر یہ دباؤ ہوتا ہے کہ وہ توہین مذہب کے مقدمات میں ملزم کو قصوروار قرار دیں۔ ایسے مقدمات کی پیروی کرنے والے وکلاء اور پولیس کا کہنا ہے کہ ملاؤں اور دیگر افراد پر مشتمل ہجوم اکثر عدالت کے باہر احتجاج کررہے ہوتے ہیں اور وہ ججوں کو دھمکاتے ہیں کہ اگر انہوں نے سزا نہ سنائی تو انہیں سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے۔

محمد حسیب کہتے ہیں کہ ''وہ جج شدید خوف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جج کہتے ہیں کہ ''ملزم تو مرے گا ہی لیکن اگر میں نے بھی یہی راستہ اپنایا تو میں بھی مروں گا۔''

چنانچہ یہ بات حیران کن نہیں کہ پاکستان میں توہین مذہب کے مقدمات میں سزا کی شرح زیادہ ہے اور یہ کہ ثبوت کے معیار پستی کی جانب مائل ہیں۔ مثال کے طور پر آسیہ نورین کے حالیہ مشہور مقدمے میں سماعت کرنے والی عدالت نے ملزمہ کو قصوروار قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم کے درمیان کوئی بھی بحث ''توہین مذہب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتی۔'' اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی عدالتوں میں توہین مذہب کے جو مقدمات لڑے جاتے ہیں ان میں سے زیادہ تر کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وکیل صفائی کا ایک ہاتھ پیچھے بندھا ہوتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے انہیں خود پر لگنے والے الزامات کو روکنا ہوتا ہے۔

شہزاد اور شمع کے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا

ہجوم نے ایک نئی قوت کے ساتھ ان پر دوبارہ حملہ کیا، اور متعدد افراد نے شمع کی ٹانگوں اور بازوؤں کو پکڑا جبکہ دیگر نے اس کے خاوند کے بے جان جسم کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔

عزیز، جسے مجبوراً وہاں سے بھاگنا پڑا کیونکہ ہجوم کو پتا چل گیا تھا کہ وہ ان کی فلم بنا رہا تھا، کا کہنا ہے کہ: ''ہجوم جوڑے کو ''کتوں کی طرح'' گھسیٹ کر بھٹے پر لے گیا۔ جب شعلے تین فٹ بلند ہوگئے تو میاں بیوی کو ایک کھلی بھٹی کے بان پر لٹایا گیا۔ شمع اب بھی سانس لینے اور خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی، جبکہ آگ کے شعلے شہزاد کے بے جان جسم کی جانب لپک رہے تھے۔ شمع کو قابو میں رکھنے میں ناکامی پر لوگوں نے شمع کے زور آزمائی کرتے ہوئے جسم پر لوہے کی ایک چادر رکھ دی۔ بقیہ کام شعلوں نے انجام دیا۔

8.45 بجے عمران پرکاش جائے وقوعہ پر پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ اقبال اپنے کمرے کے دروازے کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ یہ واضح نہیں ہوسکا کہ اس کی بیوی اور پونم اس وقت کہاں تھے۔ اقبال صدمے کی حالت میں تھا اور وہ خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ عمران کو اسے جھنجھوڑ کر حقیقت کی دنیا میں واپس لانا پڑا۔ اس کے پہلے الفاظ یہ تھے: ''مجھے مت مارو! میں نے کچھ نہیں کیا! میں نے کچھ نہیں کیا۔''

ادھر پولیس کی ایک بڑی تعداد جائے وقوعہ پر پہنچی تو ہجوم منتشر ہوگیا۔ گاؤں میں جو شخص بھی دکھائی دیا اسے فوراً گرفتار کرلیا گیا جبکہ پولیس نے منتظم افضل، محمد حسین اور دیگر ملاؤں، گاؤں کے مقامی قائدین حارث بشیر اور ریاض کمبوہ، اور بھٹے کے مالک یوسف گجر کا تعاقب کر کے انہیں گرفتار کیا۔

صحافی عزیز کے ذریعے یہ خبر ہر جگہ پھیل گئی جس کی وجہ سے اس واقعے کو ملک گیر توجہ ملی۔ مقامی افراد یا تو فرار ہوچکے تھے یا پھر اظہار افسوس کررہے تھے۔ شمع اور شہزاد کی جلی ہوئی ہڈیوں کے چند ٹکڑے ہی باقی بچے تھے، اور حکام کو بھٹے کے تیز و تند شعلوں میں سے یہ ٹکڑے حاصل کرنے میں بھی کئی گھنٹے لگے تھے۔ بالآخر رات کے دس بجے پرکاش اور اس کا بھائی پرویز اپنے رشتے داروں کی نعشوں کی باقیات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جس کے بعد وہ انہیں مقامی چرچ لے آئے۔

اور یوں آدھی رات کو صرف مقتولین کے قریبی رشتے داروں کی موجودگی میں شمع اور شہزاد کی ہڈیوں کو آخر کار سپرد خاک کردیا گیا۔ آج، مبینہ مجرموں کا ٹرائل جاری ہے اور افضل، حارث، ریاض کمبوہ، یوسف گجر اور دیگر 97 افراد جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہیں، لیکن مقدمے کی کاروائی کافی سست ہے۔ 21 مارچ کو پاکستان کی سپریم کورٹ نے اس واقعے کی تحقیقات کی رفتار اور معیار پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے مقامی حکام کو دوبارہ تحقیقات کا حکم دیا۔ اس حملے کے تقریباً ایک ماہ بعد اس جگہ پر اینٹوں کے ڈھیر اور چند پھولوں پر مشتمل ایک یادگار دیکھی جاسکتی تھی جہاں شمع اور شہزاد کو جلا کر ہلاک کردیا گیا تھا۔ ان کے کمروں کی حالت ابتر تھی، فرش ملبے تلے دبا ہوا تھا؛ دروازے کے پاس بچے کا جوتا، کونے میں ایک مردانہ سینڈل اور فرش جہاں شمع اور شہزاد کبھی سویا کرتے تھے وہاں ٹوٹے ہوئے گلاس کی باقیات پڑی ہوئی تھیں۔ گاؤں بذات خود خاموشی کی لپیٹ میں تھا۔ چند دن بعد یادگار کا کوئی نام و نشان نہیں رہے گا اور قریبی دیہات سے مزدوروں کا ایک نیا دستہ کام پر واپس آجائے گا اور گجر بھٹے کی چمنی سے ایک مرتبہ پھر دھواں اٹھنے لگے گا۔

شہزاد کے بھائی اقبال سے جب یہ پوچھا گیا کہ وہ واقعہ کا ذمہ دار کسے ٹھہراتا تھا تو وہ ابھی تک صدمے کی حالت میں تھا۔ جب اس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو عمران پرکاش نے اس کی طرف سے جواب دیا۔ اس نے ان دو ہلاکتوں کی داستان کو واضح طور پر بیان کیا جنہیں روکا جاسکتا تھا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ اس نے واقع کا ذمہ دار عرفان کو ٹھہرایا جس کے ساتھ شہزاد کے ایک اور بھتیجے کا جھگڑا ہوا تھا۔

عمران کا کہنا تھا کہ ''عرفان ہی ہے جس نے سب لوگوں کو ایسا کرنے کو کہا۔ اگر وہ وہاں نہ ہوتا تو یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ اگر بھٹے کا مالک مزاحمت کرتا تو یہ نہ ہوتا۔ اگر ملاّ واقعے کی چھان بین کرتے اور دونوں فریقین سے بات کرتے اور پھر شہزاد اور شمع کو تھانے لے جاتے تو انہیں زندہ نہ جلایا جاتا۔ لہٰذا سب ہی اس واقعے کے ذمہ دار ہیں۔''

(رپورٹ اسد ہاشم، بشکریہ الجزیرہ انگلش)

عورتیں

غیرت کے تصور نے ایک اور جان لے لی

چنیوٹ 3 جولائی کو تحصیل بھوآنہ کے نواحی علاقہ ٹھٹھہ واڑ میں مظفر نامی شخص نے اپنی ہمشیرہ فرزانہ بی بی کو غیرت کے نام پر فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ ملزم کو مقتولہ کے کردار پر شک تھا۔ ملزم کے خلاف مقدمہ درج کرلیا گیا تھا۔

(سیف علی خان)

بدچلنی کے شبے پر بہن کو قتل کر دیا

چنیوٹ 23 جولائی کو بھائی نے بدچلنی کے شبہ پر گلہ دبا کر بہن کو قتل کر دیا۔ چک 156 ساہمل میں پانچ بچوں کی ماں مہراں بی بی 23 جولائی کو میکے اپنے گھر والوں سے ملنے آئی۔ کردار کے شک پر اس کے بھائی اسلم اور بھانجے وقاص نے مہراں بی بی کو ورغلا کر تھانہ بھوآنہ سے تھانہ رجوعہ کی حدود میں لے جا کر اس کا گلہ دبا کر مار ڈالا اور نعش ویرانے میں پھینک کر فرار ہوگئے۔ پولیس کو اطلاع ملی کہ نعش سیم نہر کے قریب پڑی ہے۔ پولیس نے نعش کو قبضہ میں لے کر پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال بھجوا دیا اور دونوں ملزمان کو گرفتار کرلیا ہے۔

(سیف علی خان)

خاتون سمیت تین افراد جاں بحق

بنوں 7 جولائی کو بنوں میں فائرنگ کے مختلف واقعات میں خاتون سمیت 3 افراد کو قتل کر دیا گیا۔ پہلا واقعہ تھانہ غوار یوالہ کی حدود میں واقع شمشی خیل میں پیش آیا۔ جہاں مبینہ طور پر بھائیوں کے درمیان لڑائی کے دوران گولی چلنے سے بہن جاں بحق ہوگئی۔ دو بھائی شیر کلام اور صبر نواز دست وگریبان تھے کہ اچانک میر کلام سے پستول چل گئی جس سے ہمشیرہ بیگر یزہ بی بی زوجہ شفوراللہ زخمی ہوئی جو بعد میں جاں بحق ہوگئی۔ پولیس نے صبر نواز کی رپورٹ پر اس کے بھائی شیر کلام کے خلاف مقدمہ درج کرلیا۔ قتل کا دوسرا واقعہ تھانہ بسیہ خیل کی حدود میں واقع میوہ خیل سورانی میں پیش آیا جہاں نامعلوم ملزمان نے فائرنگ کر کے عارف نامی شخص کو قتل کر دیا۔ پولیس نے مقتول عارف اللہ کی اہلیہ سنبل بی بی کی رپورٹ پر نامعلوم ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کرلیا، جبکہ تھانہ ٹاؤن شپ کی حدود میں واقع عمرزئی میں مبینہ ملزمان نے فائرنگ کر کے معمور نامی شخص کو قتل کر دیا پولیس نے مقدمہ درج کرلیا ہے۔

(نامہ نگار)

بیٹی کو کاری کے الزام میں قتل کر دیا

عمرکوٹ 21 جون کو ساماروتھانہ پولیس نے تحصیل ساماروضلع عمرکوٹ کی یونین کونسل آراڑو بھرگڑی کے گوٹھ پہلوان جٹ میں لڑکی کو باپ کی طرف سے کاری کے الزام میں قتل کر کے دفن کرنے کی خفیہ اطلاع ملنے پر مذکورہ گوٹھ جا کر پوچھ گچھ کی۔ قتل کی تصدیق ہونے پر لڑکی کے والد شفیق جٹ سے بھی پوچھ گچھ کی گئی۔ جس کے بعد جوابدار نے اعتراف جرم کرتے ہوئے کہا کہ اس نے اپنی چودہ سالہ بیٹی شبانہ جٹ کو غیرت میں آ کر تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد زہر دے کر قتل کر دیا اور بعدازاں اس کی موت کو طبعی موت ظاہر کر کے دفن کر دیا۔ جوابدار نے جائے وقوع کا معائنہ بھی کرایا۔ ساماروپولیس نے جوابدار کی نشاندہی پر لڑکی شبانہ کی قبر پر حفاظت کے لیے پولیس اہلکار مقرر کر دیئے۔ لڑکی کے والد کو پولیس نے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ 22 جون کو ساماروپولیس نے جوابدار باپ کو جوڈیشل مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے ساماروپولیس کی درخواست پر جوابدار کو پانچ دنوں کے جسمانی ریمانڈ پر پولیس کے حوالے کر دیا۔ عدالت نے جسمانی ریمانڈ کا دورانیہ ختم ہونے پر جوابدار کو عدالتی ریمانڈ پر سب جیل عمر کوٹ بھیج دیا تھا۔

(اکہومنروپ)

'غیرت کے نام پر قتل' کی کوئی سزا نہیں

کندھ کوٹ ملک اور جعفری برادریوں کے درمیان دس برس پرانے خونی تنازعے کو ختم کرنے کے لیے کندھ کوٹ کشمور ضلع کے علاقے کرم پور میں ایک جرگہ منعقد ہوا۔ دونوں فریقین میں اختلافات کاروکاری کے الزام پر حسینہ اور دادن جعفری کے قتل پر پیدا ہوئے تھے۔ رپورٹس کے مطابق اس جرگے کی صدارت سردار محبوب علی بجارانی نے کی اور دونوں برادریوں کے افراد، ان کے رشتہ دار اور حمایتیوں نے اس جرگے میں شرکت کی۔ دونوں فریقین کے بیانات سننے کے بعد جرگے نے اکبر خان ملک کے گروپ کو سائیں بخش جعفری کے قتل اور تین دیگر لوگوں کو زخمی کرنے کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے اکبر خان ملک پر 29 لاکھ روپے کا جرمانہ عائد کیا۔ دو افراد صابر ملک اور مصطفٰے ملک کے قتل، زمین پر قبضہ، ٹریکٹر کو نذر آتش کرنے اور دیگر نقصانات نواب جعفری کے گروپ کے خلاف ثابت ہوئے۔ جرگے نے جعفری برادری کے نواب پر 54 لاکھ روپے کا جرمانہ عائد کیا۔ تاہم حسینہ اور دادن جعفری کے قتل پر کوئی جرمانہ عائد نہیں کیا گیا، بلکہ جرگے نے اس قتل کو 'غیرت کے نام پر قتل' قرار دے دیا، جس سے دونوں فریقین نے اتفاق کیا۔ یاد رہے کہ ان دونوں کو کاروکاری کے الزام کے تحت ملک برادری کے لوگوں نے گاؤں صلاحی ملک میں ہلاک کر دیا تھا۔ جرمانے کی کچھ رقم موقع پر ہی ادا کر دی گئی، جبکہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ جعفری برادری بقایا رقم پانچ پانچ لاکھ کی چار قسطوں میں ادا کرے گی۔ اس بات پر بھی اتفاق کیا گیا کہ ایک دوسرے کے خلاف درج کرائے گئے مقدمات بھی قانونی طور پر واپس لے لیے جائیں گے۔

(نامہ نگار)

فائرنگ سے لیڈی ہیلتھ ورکر جاں بحق

شہداد کوٹ 13 جولائی کو نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے 25 سالہ لیڈی ہیلتھ ورکر رخسانہ کو قتل کر دیا۔ تفصیلات کے مطابق نامعلوم افراد نے سومرا محلے میں ہاشم سومرو کے گھر پر شدید فائرنگ کی جس کے نتیجے میں لیڈی ہیلتھ ورکر رخسانہ جاں بحق ہوگئی۔ اس موقع پر رخسانہ کی بہن نازیہ اور بھائی عبدالوہاب نے بتایا کہ مقتولہ کی کچھ سال پہلے نصیرآباد کے رہائشی کے ساتھ شادی ہوئی تاہم کچھ عرصہ کے بعد ان میں علیحدگی ہوگئی۔ انہوں نے قتل میں ملوث افراد کے خلاف قانونی کاروائی کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس رپورٹ کے جاری ہونے تک واقعے کا مقدمہ درج نہیں ہوسکا تھا۔

(ندیم جاوید منگی)

جنسی تشدد کے زیادہ تر واقعات رپورٹ نہیں ہوتے

کراچی گزشتہ سال کراچی کے ہسپتالوں میں جنسی زیادتی کے 383 واقعات رپورٹ ہوئے جن میں سے صرف 27.67 فیصد واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔اس بات کا انکشاف وار اگینسٹ ریپ (وار) کی جاری کردہ رپورٹ میں کیا گیا۔2014ء کے کوائف ظاہر کرتے ہیں کہ شہر کے بڑے ہسپتالوں جناح پوسٹ گریجوایٹ میڈیکل سینٹر (جے پی ایم سی)، سول ہسپتال اور عباسی شہید ہسپتال نے جنسی زیادتی کے 383 واقعات کے طبی و قانونی تجزیے کئے جن میں جنسی زیادتی، اجتماعی جنسی زیادتی، مردوں سے زیادتی اور زنائے محرم کے واقعات شامل تھے۔اتنے ہی عرصے کے لئے 112 تھانوں سے اکٹھے کئے گئے کوائف ظاہر کرتے ہیں کہ صرف 106 واقعات کی ایف آئی آر درج کی گئیں۔گزشتہ سال صورتحال بھی تقریباً ایسی ہی تھی جب ہسپتالوں کو رپورٹ ہونے والے جنسی زیادتی کے 370 واقعات میں سے صرف 109 کی ایف آر درج ہوئی۔

وار کی پروگرام آفیسر رخسانہ صدیقی کا کہنا ہے کہ اہم سوال یہ ہے کہ ہسپتالوں میں رپورٹ ہونے والے واقعات کے مقابلے میں ایف آئی آر کی تعداد کم کیوں ہے۔انہوں نے کہا کہ: ''ہم مانتے ہیں کہ لوگ ایف آئی آر اس لئے درج نہیں کراتے کیونکہ معاملے کو عدالت کے باہر حل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ پولیس اہلکاروں کے رویے کی وجہ سے جنسی زیادتی کے متاثرین تھانوں سے رجوع نہیں کرتے۔'' رخسانہ صدیقی نے مزید کہا کہ جنسی زیادتی کے متاثرین کے خاندانوں پر اکثر ملزمان کا دباؤ ہوتا ہے اور وہ معاملے کو عدالت لے کر جانے کی بجائے آپس میں سمجھوتہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔غیر محفوظ علاقوں سے متعلق بات کرتے ہوئے رخسانہ صدیقی نے کہا کہ گلبرگ جیسے علاقے انتہائی غیر محفوظ ہیں کیونکہ یہ علاقہ انتہائی گنجان آباد ہے۔یہاں کے لوگوں میں کافی قربت پائی جاتی ہے، خواندگی کی شرح کم ہے اور بچے اکثر گلیوں میں کھیلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ظالمانہ اعداد و شمار

وار نے جن واقعات کی تحقیقات کیں ان میں یہ بات سامنے آئی کہ پانچ سے تیرہ سال کی عمر کے بچے جنسی زیادتی کا سب سے زیادہ نشانہ بنتے ہیں۔ان میں سے تقریباً 22 فیصد واقعات جنسی زیادتی کے تھے، جبکہ اجتماعی جنسی زیادتی کے واقعات کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔مردوں سے جنسی زیادتی کے واقعات 19 فیصد، جنسی زیادتی کی کوشش اور جنسی زیادتی کے بعد قتل کے واقعات 9 فیصد، اور زنائے محرم کے واقعات 7 فیصد تھے۔رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ 2005ء اور 2014ء کے درمیان کراچی کے تین بڑے ہسپتالوں میں جنسی زیادتی کے تقریباً 3,242 متاثرین کا طبی معائنہ کیا گیا۔تاہم ان میں سے صرف 1,101 واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔

روزانہ چار خواتین جنسی زیادتی کا نشانہ بنتی ہیں

وار کا کہنا ہے کہ پاکستان میں روزانہ چار خواتین جنسی زیادتی کا نشانہ بنتی ہیں۔گزشتہ سال جنسی زیادتی کے رپورٹ ہونے والے واقعات میں 2013ء کی نسبت 49 فیصد اضافہ بھی دیکھنے میں آیا۔2014ء کے دوران ملک بھر میں کل 1,582 واقعات رپورٹ ہوئے جبکہ اس کے مقابلے میں 2013ء میں 772 واقعات رپورٹ ہوئے تھے۔2014ء میں 3,508 بچے جنسی زیادتی کا شکار ہوئے جبکہ 2013ء میں یہ تعداد 3,002 تھی۔ان میں سے تقریباً 67 فیصد واقعات دیہی علاقوں سے رپورٹ ہوئے جبکہ ان میں سے زیادہ تر بچوں کی عمر گیارہ سے پندرہ سال کے درمیان تھی۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ایکسپریس ٹریبیون)

70 سالہ خاتون کو قتل کر دیا

شہداد کوٹ 18 جولائی کو عید کے روز بااثر وڈیرے نے ایک سال پہلے قتل ہونے والے صحافی شان ڈہر کے گھر پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں مرحوم صحافی کی 70 سالہ والدہ اقبال خاتون، دو بہنیں نعیمہ خاتون اور فوزیہ خاتون شدید زخمی ہوگئیں۔واقعے کے بعد صحافیوں نے احتجاج کرتے ہوئے ملزم زمان خان پٹھان اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا۔اس موقع پر صحافی شان ڈہر کی کی بہنوں نے صحافیوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ منشیات فروش زمان خان پٹھان ان کا گھر خریدنا چاہتا ہے اور اسی بنا پر اس نے حملہ کر کے ان کی والدہ کو قتل کر دیا۔انہوں نے مزید بتایا کہ مقامی پولیس بااثر وڈیرے کے خلاف مقدمہ درج نہیں کر رہی۔انہوں نے اعلیٰ حکام سے واقعے کا نوٹس لینے اور ملزمان کے خلاف کاروائی کرنے کا مطالبہ کیا۔پولیس نے پوسٹ مارٹم کے بعد نعش کو ورثا کے حوالے کر دیا۔

(ندیم جاوید منگی)

بیٹی کو قتل کر دیا

راجن پور 27 جولائی کو راجن پور کے موضع تتاروالا میں بشیر نامی شخص نے اپنی بیٹی کو چھریوں کے وار کر کے قتل کر دیا۔تفصیلات کے مطابق کچھ عرصہ پہلے ملزم کی بیٹی عاصمہ بی بی کھوسہ نامی شخص کے ساتھ اپنا گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی تاہم اس کا والد اور بیٹے اسے واپس لے آئے اور اس کی زبردستی شادی کرادی۔وقوعے سے کچھ روز پہلے عاصمہ بی بی کا اپنے شوہر سے جھگڑا ہو گیا جس پر وہ اپنے والد کے گھر آ گئی۔والد نے اسے واپس جانے کو کہا لیکن اس نے کہا کہ وہ دارالامان چلی جائے گی۔اس کے والد اور بھائیوں کو شک تھا کہ عاصمہ کے کھوسہ کے ساتھ دوبارہ روابط قائم ہوگئے ہیں۔وہ اسے دارالامان سے واپس لے آئے اور چھریوں کے وار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

(امجد حسین)

چار بہنوں کے مبینہ قاتل گرفتار

پشاور 28 جون کو پولیس نے شہر کے مضافاتی علاقے میں کارروائی کرتے ہوئے ہشت نگری میں قتل ہونے والی چار بہنوں کے مبینہ قاتلوں کو گرفتار کر لیا جن میں ایک پولیس اہلکار بھی شامل تھا۔پولیس کمانڈو فضل حسین اور اس کے والد فضل قادر کو ٹیلہ بند کے علاقے سے گرفتار کیا گیا۔گرفتاری سے پہلے پولیس اور ملزمان کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ بھی ہوا۔ایک پولیس اہلکار کا کہنا ہے کہ انہوں نے اطلاع ملنے پر ٹیلہ بند میں ایک گھر پر چھاپہ مارا۔ملزمان نے پولیس کی ٹیم کو دیکھ کر ان پر فائرنگ شروع کر دی۔تاہم فائرنگ کے تبادلے کے بعد ملزمان نے اپنے ساتھ، ایک ٹیکسی ڈرائیور، کے ہمراہ ہتھیار ڈال دیے۔پولیس اہلکار نے بتایا کہ فضل قادر، اس کے بیٹے اور ٹیکسی ڈرائیور اسلم کو حراست میں لے لیا گیا۔پولیس نے چار بہنوں کے قتل میں استعمال ہونے والے اسلحہ اور وہ گاڑی بھی برآمد کر لی جس کے ذریعے ملزمان جائے وقوعے سے فرار ہوئے تھے۔فضل قادر کا داماد تاحال مفرور ہے پولیس فضل قادر کی تلاش میں مصروف ہے۔فضل قادر، اس کے بیٹے اور داماد پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے محمد اقبال کی بیٹیوں رانی، ثمرین، رقیہ اور فرحانہ کو قتل کر دیا تھا۔

(ایچ آر سی پی پشاور)

انتہا پسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے ''انتہاپسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار'' کے فروغ کے عنوان سے 17-16 جون 2015ء کو تحصیل کرخ ضلع خضدار بلوچستان 25 - 24 جولائی 2015 کو تحصیل روہڑی ضلع سکھر میں چائلڈ پروٹیکشن یونٹ کے مقام جبکہ 27-26 جولائی کو المصطفی انسٹیٹیوٹ چک، لکھی، ضلع شکارپور کے مقام پر دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا۔اسی طرح پنجاب کی تحصیل کروڑلعل عیسن کے ایور گرین ہوٹل میں 25اور26 جولائی کو دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا۔شُرکاء میں صحافی، وکلاء، اُساتذہ، سماجی کارکنان، طلبہ اور دیگر مکاتب فکر کے لوگ شامل تھے۔

سب مقامات پر سہولت کاروں نے درج ذیل موضوعات پر تربیتی لیکچر دیئے:انسانی حقوق کا فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کیلئے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار ،،طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کیلئے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت، انتہاپسندی کے انسداد /فروغ میں میڈیا کا کردار،انتہاپسندی کیا ہے؟اس کی مختلف اقسام ،ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کے لیے لائحہ عمل ۔تربیتی ورکشاپ کے دوران شرکاء کو دستاویزی فلمیں جن میں، لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر، ہم انسان اورضمیر کی عینک دکھائی گئیں جنہیں شرکاء نے بے حد پسند کیا۔تربیتی ورکشاپس کے دوران گروپ ورک کے ذریعے مذکورہ تحصیلوں میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ بھی لیا گیا جس میں شرکاء نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ورکشاپ کی روداد ذیل میں بیان ہے۔

خضدار 16-17 جون 2015

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

محمد یونس

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام منعقدہ اس ورکشاپ کا بنیادی مقصد ملک کو درپیش سب سے بڑے مسئلے انتہاء پسندی کا جائزہ لینا ہے اور اس کے حوالے سے ایک دوسرے سے نہ صرف آگاہی حاصل کرنا ہے بلکہ مشترکہ طور پر اس کے حل کے لئے مشترکہ تجاویز مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ انتہاء پسندی کے اصل اسباب کو جاننا ہے۔ انتہاء پسندی کو ہم مذہب کے دائرے تک محدود رکھ کر نہیں دیکھ سکتے۔اس کا تعلق مختلف شعبوں سے ہے۔ اس وقت ملک میں انتہاء پسندی بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے جس کی وجہ سے انسانی حقوق کی پامالی میں بے حد اضافہ ہو رہا ہے۔ایسی صورتحال میں ہمیں رواداری اور برداشت جیسے تصورات کو فروغ دینا ہوگا اور اس عمل کو سرانجام دینے کے لئے ہم آپ سب کو سننے اور اپنی معلومات آپ تک منتقل کرنے یہاں آئے ہیں اور توقع ہے کہ آپ اور ہم سب ملکر اس کام کو آگے لے جائیں گے۔

> انسان پیدائش سے لیکر موت تک سیکھنے کے مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔اگر یوں کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ پوری زندگی سیکھنے کا عمل ہے۔اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اُس نے سب کچھ سیکھ لیا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہوگی۔

انسانی حقوق کے فروغ،حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لئے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

حفیظ بزدار

انسان پیدائش سے لے کر موت تک سیکھنے کے مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔اگر یوں کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ پوری زندگی سیکھنے کا عمل ہے۔اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اُس نے سب کچھ سیکھ لیا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہوگی۔ہم اپنے معاشرے سے سیکھتے ہیں،سماج سے سیکھتے ہیں اور روزمرہ زندگی سے سیکھتے ہیں۔سیکھنے کے عمل کا بغور جائزہ لیں تو خیال کا ایک نقشہ ہمارے سامنے آئے گا۔خیال بنیادی طور پر عمل کا ایک حصہ ہے۔ پہلے خیال بنتا ہے اس کے بعد اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ میرا موضوع بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم ہے۔انسانی حقوق کے فروغ ،حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لئے حکمت عملی کی تشکیل ،اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سوسائٹی کا کردار۔اگر ہم اپنے حقوق کے متعلق خود نہیں سوچیں گے تو یقیناً حکومت یا کوئی اور ادارہ ہماری طرف توجہ نہیں دے گا۔انسانی حقوق میں انسانی بقا کا حق ،زندگی کا حق ،مذہبی آزادی اور سیاسی آزادی سمیت دیگر حقوق شامل ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں تقریباً چھ کروڑ انسان مارے گئے۔اس کے بعد بین الا اقوامی طاقتوں نے اکٹھے ہو کر انسانی حقوق کے متعلق ایک منشور تیار کیا۔انسانی حقوق کے عالمی منشور میں زندہ رہنے کے حق کو ہر انسان کا بنیادی حق مانا گیا۔محصولات اور ٹیکسوں کی وصولی کے لئے خود کار نظام کی طرح انسانی حقوق کا نظام بھی خود کار ہونا چاہیئے یعنی لگاتار اور مسلسل چلنے والا نظام جس میں تمام لوگوں کو یکساں حقوق حاصل ہونے چاہییں۔ان حقوق کی ادائیگی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے حکومتوں نے ٹیکسوں کی وصولی کا خود کار نظام ترتیب دیا ہوتا ہے۔ جمہوری روّیوں کا انسانی حقوق کے فروغ میں اہم کردار ہوتا ہے۔ جمہوری روّیے ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کریں۔ جب ہم جمہوریت کی آواز بلند کرتے ہیں تو سب سے پہلے خود کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا ہمارے گھروں محلوں اور سوسائٹی میں جمہوریت ہے؟اگر غور کیا جائے اور اپنے کردار کو پرکھا جائے تو یہ حقیقت خود بخود ہمارے سامنے آئے گی کہ ہمارے اپنے اندر جمہوری روّیے نہیں ہیں اور ان اداروں کی بھی کمی ہے جو ہماری سوسائٹی میں جمہوری روّیوں کے فروغ کے لئے کام کرتے ہیں۔ اسی طرح آج سوشل میڈیا کا دور ہے دنیا گلوبل ویلج بن چکی ہے۔سوشل میڈیا کے ذریعے ہم مجموعی طور پر عوام بالخصوص نوجوانوں تک رسائی حاصل کر کے ان میں شعور کو اجاگر کر سکتے ہیں۔

طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کیلئے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

محمد یونس

انسان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی تمام بنیادی ضرورتیں ایک جیسی ہیں اور سب کے حقوق بھی برابر ہیں۔ انسان کا جو طرز زندگی ہے اس میں تبدیلی ہی انسانوں کو تقسیم کر دیتی ہے۔اسی طرح طرز فکر میں تبدیلی انسانوں کو یکتا نہیں ہونے دیتی۔ جہاں جس قوم کی حکمرانی ہوتی ہے اس معاشرے میں طرز حیات بھی انہیں کا چلتا ہے۔تعلیم کا بنیادی مقصد جاننے کا ہے۔طرز فکر میں

تبدیلی اس صورت ممکن ہے کہ ہم نئی نسل کو ملنے والی تعلیم اور تعلیمی نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کو شامل کریں اور نصاب سے اشتعال انگیز موضوعات کو حذف کریں۔ تعلیمی نصاب ایسا ہونا چاہئے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ ایک انسان کو معاشرے کے لئے اچھا شہری بنانے میں بارآور ثابت ہو۔ ترقی یافتہ قومیں انسانی حقوق پر مشتمل جدید نصاب کو اپناتے ہوئے بہتر علم حاصل کر کے ہی اقتصادی اور معاشی طور پر مستحکم ہوئی ہیں۔

آپ کی نظر میں پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں شرکاء نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نذیر احمد نے کہا کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ انتہاء پسندی ہے۔ آج لوگ انتہاء پسندوں کی وجہ سے اپنے گھروں میں محفوظ نہیں ہیں۔ انتہاء پسند شہریوں کو سر عام نشانہ بنا کر قتل کر رہے ہیں۔ لوگ خود کو گھروں، شہروں اور محلوں میں غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔ ظہور احمد نے کہا کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ معاشی ناہمواری ہے۔ ریاست اپنے عوام کو روزگار دینے میں ناکام ہو گئی ہے۔ سیف اللہ شاہوانی نے کہا کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ حقوق کی برابر تقسیم کا نہ ہونا ہے۔ آج بلوچستان میں جو لوگ پہاڑوں پر چڑھ گئے ہیں ان کا رونا بھی یہی ہے کہ انہیں ریاست ان کے بنیادی حقوق دینے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ مختیار احمد شکرانی نے کہا کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ طبقاتی نظام تعلیم ہے۔ غریب کے بچے سرکاری تعلیمی اداروں میں علم حاصل کرتے ہیں جبکہ امیروں، وزیروں اور سرمایہ داروں کے بچے پرائیوٹ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور یہ ممکن نہیں رہا کہ غریب کے بچے ان کا مقابلہ کر سکیں۔ اُن کے علاقہ میں انتہاپسندی کی صورتحال کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے شرکاء نے کہا کہ ہمارا علاقہ ایک قبائلی علاقہ ہے اور یہاں انتہاء پسندی مختلف شکلوں میں موجود ہے مگر لوگ خوف کی وجہ سے انتہاء پسندی کرنے والے عناصر کے خلاف کھڑے نہیں ہوتے۔ حکومت کی جانب سے بھی انتہاء پسندی کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں اٹھایا جا رہا۔

انتہاپسندی کے انسداد اور فروغ میں میڈیا کا کردار

عبدالواحد شاہوانی

انتہاء پسندی صرف مذہبی انتہا پسندی تک محدود نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں ہر جگہ اور ہر شعبہ میں اس کی جھلک ملتی ہے۔ ہر فرد کسی نہ کسی انداز میں انتہاء پسندی کی حمایت کر رہا ہوتا ہے۔ آج اگر ہم میڈیا کا مجموعی جائزہ لیں اور ان کی خبروں کی حقیقت کو پرکھنے کی کوشش کریں تو بہت ہی مشکل ہوگا کہ ہم یہ جان سکیں کہ میڈیا سے ملنے والی خبر سچ ہے یا جھوٹ؟ وجہ یہ ہے کہ ہمارا میڈیا کسی خاص مقصد کو سامنے رکھ کر رائے قائم کرنے کے لئے خبر کی حقیقت کو تبدیل کر دیتا ہے اور اپنے فرائض کو نظر انداز کر کے اپنے مفادات کو ترجیح دیتا ہے۔ آج پاکستان میں درجنوں پرائیوٹ ٹیلی چینلز ہیں جن کے درمیان ریٹنگ کی جنگ شدت سے جاری ہے اور اسی جنگ میں ذاتی شہرت حاصل کرنے والے رپورٹرز حقیقت کے برعکس خبریں دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اخبار اور ٹی وی چینل مالکان بسا اوقات عملے کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ کرپشن کریں۔ دوسری جانب ٹی وی مالکان مہینوں تک اپنے ورکروں کو تنخواہیں بھی نہیں دیتے۔ میڈیا یا پاکستان میں اخلاقی اقدار سے بھی عاری نظر آتا ہے۔ مثلاً بم دھماکوں، روڈ حادثات اور دیگر واقعات میں نعشوں کو براہ راست دکھایا جاتا ہے۔ انتہاء پسندوں کی بھی یہی سوچ ہوتی ہے کہ ہماری کاروائیوں کو براہ راست دکھایا جائے۔ اس طرح میڈیا ان کے مقاصد کو پورا کرتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ میڈیا کو معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بننا چاہئے، سچائی کو عوام تک پہنچانا چاہئے اور اخبارات اور ٹیلی ویژن چینلوں کے ساتھ منسلک رپورٹروں کو غیر جانبدار ہونا چاہئے۔ مذہبی پروگراموں کے دوران میزبانوں کو چاہئے کہ وہ ایسی گفتگو سے اجتناب کریں جس سے مذہبی انتہا پسندی پروان چڑھتی ہے۔

> انتہاء پسند ہمیشہ مذہب کا سہارا لیتے ہیں۔ معاشرے میں بسنے والے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ سمجھیں کہ مذہب کیا پیغام دیتا ہے۔ تمام مذاہب انسان کو امن سے رہنے اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنے کا درس دیتے ہیں۔

سوال: ملک میں میڈیا کو کنٹرول کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں؟

جواب: پاکستان میں پیمرا کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے جس کے تحت میڈیا کے لئے ایک ضابطہ اخلاق ترتیب دیا گیا ہے۔ تمام میڈیا ہاوسز اس ضابطہ اخلاق پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ اگر یہ ادارہ فعال کردار ادا کرے اور میڈیا ہاوسز کو قوائد وضوابط پر عمل کرنے کا پابند بنائے تو مسائل خود بہ خود کم ہو جائیں گے۔

انتہاپسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کے لیے لائحہ عمل

ظہور احمد

انتہا پسندی کا لفظی معنی کسی چیز کو آخری حد تک پسند کرنا، اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے تمام حدود کو پار کرنا چاہے اس کے حصول کے لئے طاقت کا استعمال ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اپنی خواہش اور اپنی رائے کو زبردستی دوسرے لوگوں پر مسلط کرنا ہے۔ ہمارے معاشرے میں انتہاء پسندی کی مختلف شکلیں ہیں۔ ہم جس سماج میں رہتے ہیں یہاں لوگوں میں عدم رواداری کو فروغ دینے میں میڈیا کا بھی ہے کیونکہ میڈیا رائے عامہ پر فوری اثر انداز ہوتا ہے۔ انتہاء پسند تنظیمیں اپنی رائے کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے میڈیا کا سہارا لیتی ہیں۔ ریاست نوجوانوں کو روزگار دینے میں ناکام ہوگئی ہے اور ملک میں بے روزگاروں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو بے روزگاری کی وجہ سے انتہا پسندی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ انتہاء پسندی کے فروغ میں سوشل میڈیا کا بھی ایک بڑا کردار ہے۔ سوشل میڈیا انتہا پسندی کے لئے گیٹ وے بن گیا ہے۔ روزانہ کی بنیاد پر ہزاروں نفرت انگیز پیغامات کی ترسیل سوشل میڈیا کے ذریعے کی جاتی ہے جس سے انتہاء پسندانہ اثرات معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں، لوگوں میں رواداری ختم ہو رہی ہے اور برداشت کا مادہ غائب ہوتا جا رہا ہے۔ جب معاشرے میں برداشت و رواداری ختم ہو جاتی ہے تو وہاں امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور معاشی مسائل سر اٹھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے غربت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور انسانی حقوق کی پامالی شروع ہو جاتی ہے۔ انتہا پسند انسانی حقوق کے فلسفے پر یقین نہیں رکھتے اس لیے ان کا ہدف ہمیشہ انسانی حقوق ہوتے ہیں۔

انتہاء پسند ہمیشہ مذہب کا سہارا لیتے ہیں۔ معاشرے میں بسنے والے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ سمجھیں کہ مذہب کیا پیغام دیتا ہے۔ تمام مذاہب انسان کو امن سے رہنے اور ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنے کا درس دیتے ہیں۔ علماء مذہب کا اصل فلسفہ لوگوں تک پہنچا کر انتہاء پسندی کی روک تھام میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے تعلیمی اداروں کے نصاب اور میڈیا میں ایسے رجحانات موجود ہیں جو بنیاد پرستی کے پھیلاؤ کا سبب بن رہے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ تعلیمی اداروں کے نصاب میں انتہاء پسندی کی روک تھام کے حوالے سے مضامین شامل کئے جائیں اور میڈیا میں ترقی پسند لوگوں کو بولنے کا مواقع فراہم

کیا جائے تا کہ وہ بھی اپنا موقف پیش کریں۔

روہڑی 24-25 جولائی 2015ء

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

جمیلہ منگی

اس ورکشاپ کا مقصد پاکستان کو درپیش مسائل کا تجزیہ کرنا ہے تا کہ ان مسائل کا ممکنہ حل تلاش کیا جا سکے۔اس وقت پاکستان کو درپیش سب سے سنگین مسئلہ انتہا پسندی ہے جو دیمک کی طرح ہمارے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ایچ آر سی پی نے پاکستان کے مختلف اضلاع میں ورکشاپ منعقد کرنے کے بعد تعلقہ کی سطح پر بھی ورکشاپ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے تا کہ انتہا پسندی کے تیزی سے بڑھتے ہوئے اثرات سے بچا جا سکے جو ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے مہلک ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی نے انسانی حقوق کی پامالی اور مذہبی ومسلکی کشیدگی میں اضافہ کر دیا ہے۔ہمیں اس وقت رواداری اور برداشت جیسے تصورات کو فروغ دینا چاہیے اور ایک روشن خیال معاشرہ تشکیل دینا چاہیے۔

تحصیل روہڑی میں انسانی حقوق کی صورتحال اور علاقے کے بنیادی مسائل

قربان اوڈھانو

تحصیل روہڑی میں انسانی حقوق کی صورتحال تسلی بخش نہیں ہے۔ یہاں کے بیشتر لوگوں کو صحت اور تعلیم کی سہولت میسر نہیں۔ صاف پانی کا فقدان ہے۔تحصیل روہڑی میں عورتوں اور بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی عام ہے۔ یہاں پر ایشیا کی بڑی مشہور کھجور منڈی ہے جس میں بچے اور عورتیں کافی تعداد میں کام کرتے ہیں لیکن ان کو معاوضہ ان کی محنت سے بہت ہی کم ملتا ہے۔روہڑی میں کاروکاری، کم عمر بچیوں کی شادی اور وٹہ سٹہ کے واقعات عام ہیں۔سڑکیں خستہ حالت میں ہیں۔

انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کیلئے حکمتِ عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

ندیم عباس

دنیا کی متعدد اقوام نے متحد ہو کر انسانی حقوق کے متعلق ایک دستاویز مرتب کی اور اسے منظور کیا۔اسے انسانی حقوق کا عالمی منشور کہا جاتا ہے۔ یہ دستاویز 10 دسمبر 1948ء کو منظور ہوئی جس کا مقصد دنیا بھر کے لوگوں کو ان کے حقوق دلوانا تھا۔ لیکن پاکستان میں ابھی تک اس منشور پر مکمل طور پر عمل درآمد نہیں ہوا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں کروڑوں انسانی جانوں کا ضیاع ہوا جس کے بعد یہ عملی اقدام اٹھایا گیا۔زندہ رہنا لوگوں کا بنیادی حق ہے۔ پاکستان نے بھی 1948ء میں اس منشور پر دستخط کیے تھے۔منشور کی ایک شق کے مطابق بچوں کو بنیادی تعلیم مفت فراہم کی جائے گی لیکن اس پر بھی آج تک عمل درآمد نہیں کیا گیا۔انسانی حقوق کے علم بردار جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں لیکن کچھ گروپس ایسے ہیں جو ملک میں جمہوریت نہیں دیکھنا چاہتے اور وہ انتہا پسندی کو پروان چڑھا رہے ہیں۔اس حوالے سے سول سوسائٹی کا کردار بہت اہم ہے۔ معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے اور انتہاء پسندی کی روک تھام کے حوالے سے انہیں معاشرے کے اندر رہتے ہوئے ہر انسان کو انسانی حقوق کا درس دینا چاہیے تا کہ وہ مثبت طریقے سے اپنی آواز بلند کریں۔شدت پسندی کے فروغ سے لوگوں کے حقوق غصب ہو رہے ہیں اس لئے اس کا انسداد ضروری ہے۔

انتہا پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کیلئے لائحہ عمل

ممتاز بخاری

جب کوئی روّیہ یا عمل اپنی جائز حدود سے تجاوز کر جائے تو اس صورتحال کو ہم انتہا پسندی کہہ سکتے ہیں۔اگر انتہا پسندی کی اقسام کا جائزہ لیا جائے تو اس کی تین اقسام ہیں: سماجی معاشرتی اور مذہبی انتہا پسندی۔ اگر بنیاد پرستی مذہبی بنیادوں پر ہو تو اس کے اثرات پورے عالم پر پڑتے ہیں کیونکہ پوری دنیا میں موجود لوگ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ہر ملک کی آبادی کثیر المذاہب ہے۔ اس وقت پوری دنیا مذہبی انتہا پسندی کی لپیٹ میں آ چکی ہے۔ ہر مذہب کے متعدد فرقے ہیں اور ان کے اندر موجود تضادات بھی عام زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جب کہ مختلف نظریات کی وجہ سے بھی معاشرے میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ کچھ افراد اپنے سیاسی اور مذہبی نظریات سے وابستگی کے حوالے سے انتہا کی حد تک چلے جاتے ہیں۔ان انتہا پسندانہ روّیوں کی وجہ سے زندگی کا پہیہ راستے سے ہٹ جاتا ہے جس سے معاشرتی اور معاشی نقصانات مرتب ہوتے ہیں۔انتہا پسندی سے مذہبی اور سیاسی معاملات میں رواداری کے ذریعے ہی بچا جا سکتا ہے۔ انتہا پسندی کے مدرسے بڑھ رہے ہیں تو اس کے اسباب معلوم کیے جائیں کیونکہ اگر مدرسے میں لوگ غربت کی وجہ سے بچے بھیجتے ہیں تو غربت کا خاتمہ کیا جائے۔اس طرح اسباب معلوم کر کے مثبت ردعمل اختیار کیا جائے۔

طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کیلئے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

ستار زنگیجو

نصاب سے مراد وہ مواد ہے جو آپ نے پڑھانا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں جو علم موجود ہے وہ دراصل مختلف حقائق اور تصورات ہیں۔ پھر ہمیں جائزہ لینا ہے کہ جو مواد ہم بچوں کو پڑھا رہے ہیں وہ کتنا فائدہ مند ہے۔ جب ہم یہاں پر شریک شرکا سے پوچھیں گے کہ پاکستان کیوں بنا؟ کب بنا؟ کس نے بنایا؟ تو ہمارے پاس مختلف جوابات آئینگے۔ ہر کوئی اپنی سوچ اور طرزِ فکر کے مطابق جواب دیگا یا اکثر شرکاء کا جواب وہ ہوگا جو انہوں نے درسی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ پاکستان دوقومی نظریہ کی بنیاد پر بنا، مسلمان ایک الگ قوم ہے اور ہندو ایک الگ قوم ہے۔ہمیں کتابوں میں پڑھایا جاتا ہے کہ مسلمان ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں اور ہندو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہندو آزادی کی تحریک میں انگریزوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے مگر ایسا ہرگز نہیں تھا۔ ہمارا تعلیمی نصاب حقائق سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ ہمارا نصاب قوم پرستانہ اور مذہبی جذبات سے بھرا پڑا ہے۔ ہمارا تدریسی نصاب ایسا نصاب نہیں ہے جس سے ہم ایک روادار اور جمہوری معاشرہ تشکیل دے سکیں۔ تعلیمی نصاب کا اصل مقصد جمہوریت پسند اور انسانی حقوق پر یقین رکھنے والے افراد پیدا کرنا ہے۔ تعلیمی اداروں سے منسلک تمام افراد کو نہ صرف انسانی حقوق کی تعلیم دی جائے بلکہ جمہوری رویوں کو فروغ دینے کے لئے اُن کی تربیت کی جائے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے تعلیمی نصاب میں ہنگامی بنیادوں پر جمہوری رویوں کو فروغ دینے کے لئے مثبت تبدیلیاں لائی جائیں۔ جمہوری رویوں اور رواداری کو فروغ دینے اور ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کو کم/ختم کرنے کے لئے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت ضروری ہے۔

انتہا پسندی کے انسداد میں میڈیا کا کردار

ارشاد سومرو

انسانی معاشرے میں میڈیا (ذرائع ابلاغ) رابطہ کاری کے عمل کا ایک ایسا ذریعہ ہے۔معلومات کو اخبار، ٹیلی ویژن، ریڈیو یا انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے کے لوگوں تک با آسانی اور انتہائی تیزی سے پہنچایا جاتا ہے۔معلومات کے اس عمل کو پھیلانے میں ٹیکنالوجی کا انتہائی اہم کردار ہے۔ کسی بھی ملک میں میڈیا کا کردار وہاں کے معاشرے کو ترقی پسند بنانا ہوتا ہے۔وہاں میڈیا ایک صحتمند

معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے جہاں خبر رسانی کے ذریعے لوگوں کے احساسات کو مجروح نہ کیا جاتا ہو۔ جہاں ہر خبر کو صحیح اور مثبت انداز میں پیش کیا جاتا ہو، اخلاقیات کی اعلیٰ اقدار کی پاسداری کی جاتی ہو اور لوگوں کے دکھ اور درد کی صحیح ترجمانی کی جاتی ہو۔ رپورٹنگ کے ذریعے مذہبی ہم آہنگی میں خلل نہ ڈالا جائے اور میڈیا قوم کے وقار اور سربلندی اور خوشحالی کا باعث بنے۔ لیکن ہمارے یہاں میڈیا کا کردار الٹ ہو رہا ہے۔ ہمارے یہاں جھوٹی خبروں کے ذریعے مذہبی نفرتوں کو پروان چڑھایا جارہا ہے بغیر سوچے سمجھے، بغیر تحقیق کئے اور زمینی حقائق جانے بغیر ذاتی جھگڑوں کی بنیاد پر خبر کو اخبار کی زینت بنایا جاتا ہے۔ مثلاً لاڑکانہ میں ذاتی جھگڑے پر ایک ہندو پر قرآن کی توہین کا الزام لگا کر جس طرح میڈیا نے مسئلے کو اچھالا اس کا نتیجہ مندروں کی مسماری کی صورت میں نکلا۔ توہین رسالت کے الزام پر سلمان تاثیر کا قتل پاکستان میں ایک ایسا المیہ ہے جس کا آج تک مداوا نہیں ہو سکا۔ اکثر و بیشتر اخبارات اور چینلز کے صحافی حضرات غیر تربیت یافتہ ہونے اور تعلیم یافتہ نہ ہونے کہ وجہ سے خبروں کو تصدیق کئے اور زمینی حقائق جانے بغیر خبر نشر کر دیتے ہیں۔ پاکستان میں خبر کو جانچنے کا کوئی معیار نہیں ہے اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی واضع پالیسی ہے۔ آج پاکستان میں میڈیا کے منفی کردار کی وجہ سے مذہبی منافرت معاشرے کو تباہ کر رہی ہے۔ جب تک ملک میں ایک ذمہ دار صحافت کا آغاز نہیں ہوتا تب تک انتہا پسندی میں کمی نہیں آئے گی۔

شرکاء کی رائے

ورکشاپ کے اختتام پر شرکاء نے ایچ آر سی پی کی تربیتی ورکشاپ کو سراہا اور کہا کہ ہماری تحصیل میں ایسی ورکشاپ کی ضرورت تھی۔ ہمیں اپنے حقوق کی آگاہی ملی اور ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کے نقصانات کا پتا چلا، ہمیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے بارے میں روشنی ملی اور یہ کہ وہ اس پیغام کو اپنی کمیونٹی اود محلے تک ضرور پہنچائیں گے۔

لکھی/شکارپور 26-27 جولائی 2015ء

تحصیل لکھی میں انسانی حقوق کی صورتحال اور علاقے کے بنیادی مسائل

ارشاد مہر

تحصیل لکھی میں انسانی حقوق کی صورتحال انتہا ئی تشویشناک ہے۔ لوگوں کو تعلیم کی سہولیات میسر نہیں ہیں۔ تعلیمی ادارے بہت کم ہیں، خاص طور پر ریاست نے لڑکیوں کی تعلیم کے کوئی انتظامات نہیں کئے جس کی وجہ سے اس علاقے کی بیشتر لڑکیاں تعلیم کے حصول سے محروم ہیں۔ کئی تعلیمی ادارے غیر فعال ہیں۔ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد بے روزگار ہے اور وہ جرم کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ بچوں سے مشقت کروائی جاتی ہے اور انتظامیہ اس کا نوٹس نہیں لے رہی۔ ہمارے علاقے میں غربت کی شرح بہت زیادہ ہے۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد ناخواندہ ہے۔ خواتین کے گھروں سے باہر نکلنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور سماج و سیاست میں ان کی شراکت نہ ہونے کے برابر ہے۔ جرگوں کا انعقاد بھی تواتر کے ساتھ ہوتا ہے۔ عورتوں کو کاروقرار دے کر قتل بھی کیا جاتا ہے۔ غریب مزدوروں کو ان کا مناسب معاوضہ نہیں ملتا۔ صفائی کی صورتحال بہت خراب ہے۔ صحت کی سہولیات ناپید ہیں۔ کئی بنیادی مراکز صحت غیر فعال پڑے ہوئے ہیں۔ پولیس کا رویہ عوام کے ساتھ انتہائی نازیبا ہے۔

ہمارے علاقے میں غربت کی شرح بہت زیادہ ہے۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد ناخواندہ ہے۔ خواتین کے گھروں سے باہر نکلنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور سماج و سیاست میں ان کی شراکت نہ ہونے کے برابر ہے۔ جرگوں کا انعقاد بھی تواتر کے ساتھ ہوتا ہے۔ عورتوں کو کاروقرار دے کر قتل بھی کیا جاتا ہے۔ غریب مزدوروں کو ان کا مناسب معاوضہ نہیں ملتا۔ صفائی کی صورتحال بہت خراب ہے۔ صحت کی سہولیات ناپید ہیں۔ کئی بنیادی مراکز صحت غیر فعال پڑے ہوئے ہیں۔

انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

ندیم عباس

سول سوسائٹی سے مراد ایک ایسا منظّم طبقہ ہے جو معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھے اور بہتر تبدیلیوں کے لیے کوشاں رہے جیسے کہ فلاحی تنظیمیں، مذہبی تنظیمیں، میڈیا ہاؤسز، ٹریڈ یونینز، بار ایسوسی ایشنز، پریس کلبز۔ آج کے جدید معاشرے کے تین بنیادی ستون درج ذیل ہیں: ریاستی ادارے، سیاسی جماعتیں اور سول سوسائٹی۔ ان تینوں کی اہمیت برابر ہے لیکن انسانی حقوق کے تحفظ کے معاملے میں سول سوسائٹی کا کردار سب سے زیادہ اہم ہے۔ 1865ء میں امریکہ کی سول سوسائٹی نے امریکہ میں غلامی کی قانونی حیثیت کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یورپ میں روشن خیالی کی تحریک کے پیچھے بھی سول سوسائٹی کا ہی ہاتھ تھا۔ اسی طرح ہندوستان کی مثال ہے کہ یہاں بھی تمام لوگوں کی محرومیوں کو ختم کرنے میں تحریک علی گڑھ جیسی سوسائٹی کی دیگر تنظیموں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ 1948ء میں فاطمہ جناح اور بیگم رعنا لیاقت علی خان نے خواتین کو حقوق دلانے کے لئے آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن قائم کی جس نے پاکستان میں خواتین کے وراثت کے لئے بہت کام کیا اور اسی تنظیم کی جدوجہد سے 1956ء کے آئین میں خواتین کے حقوق کا باب شامل کر لیا گیا۔ غیرت کے نام پر قتل پر 2005ء میں سزائے موت کا قانون، 1995ء میں قرآن کے ساتھ شادی کو ممنوع قرار دیا گیا، صائمہ ارشد کیس میں فیصلہ آیا کہ عورت ولی کی اجازت کے بغیر شادی کر سکتی ہے۔ زیادتی کیسوں میں چار گواہ نہ ہونے پر حدود کا مقدمہ ہوتا تھا۔ 2006ء میں اس قانون میں ترمیم کر دی گئی کہ دیگر ذرائع سے اگر زیادتی ثابت ہو جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ یہ سب سول سوسائٹی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ جنوبی پنجاب میں جاگیرداری کی وجہ سے جبری مشقت، غیرت کے نام پر قتل اور مذہبی شدت پسندی کے واقعات عام ہیں۔ گزشتہ سال 869 خواتین سمیت کُل 14000 افراد قتل کئے گئے جو کہ تشویشناک امر ہے۔ شدت پسندی کی وجہ سے 8000 ہزار ارب روپے کے نقصان کے علاوہ 70,000 افراد قتل ہو چکے ہیں۔ جس ملک میں ہر سال دس لاکھ افراد سیاحت کے لئے آتے تھے اب ایتھوپیا سے بھی کم سیاح آتے ہیں۔ کھیل ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ بین الاقوامی صورتحال میں ایک طرف تو انڈیا سے جنگ کے طبل بجائے جا رہے ہیں جبکہ دوسری طرف ہمارے ملک میں پولیو کے 214 کیس سامنے آچکے ہیں اور پولیو ورکرز پر گولیاں برسائی جا رہی ہیں۔ ان حالات میں پاکستانی سول سوسائیڈ پر اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ 11 اگست 1947ء کی تقریر میں قائداعظم نے یہ اعلان کیا تھا کہ مذہب کو سیاست میں نہیں لانا چاہئے۔ مذہب خدا اور انسان کا معاملہ ہے۔ اگر ہم قائد کے انداز فکر کی پیروی کرتے ہوئے مذہب کو سیاست میں گھسیٹنے سے گریز کریں اور اقلیتی معاملات کو بطور سیاسی مسائل تسلیم کر لیتے ہیں تو اسکے نتیجے میں تمام شہریوں کی زندگی سہل اور آسان ہو جائے گی۔ اگر ہمارے ہاں مساویانہ حقوق کے ساتھ شہریوں کو پاکستانی تصور کرنے کی روایت قائم ہوتی تو اس روایت نے حکومت اور پاکستان کے عوام کو اس بات کی ترغیب دی ہوتی کہ وہ پروفیسر عبدالسلام کی بطور ایک عظیم پاکستانی سائنسدان عزت واحترام کرتے نہ کہ اسے ایک احمدی ہونے کا طعنہ دیتے۔ اگر طلباء،

اساتذہ، پولیس اہلکار، فوجی افسران، ڈاکٹرز، مجسٹریٹس اور ملزموں کے ساتھ ہم وہی سلوک کریں جسکا بحیثیت شہری وہ تقاضہ کرتے ہیں اور بطور مسلم، ہندو، مسیحی، اور اچھوت انکی شناخت نہ کریں تو پاکستان میں عدم رواداری کی بڑی وجہ ختم ہوجائے گی۔ جناح کا پاکستان واپس لانے کے لئے ہمیں ایک انقلاب سے گزرنا ہوگا اور یہ انقلاب قوم کی ذہنیت تبدیل کرنے کا ہے۔اوراسے یقینی بنانے کی خاطر ہمیں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر کوششیں کرنی ہونگی۔

انتہاء پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، اس کے اثرات اور روک تھام کے لیے لائحہ عمل

نذیر سومرو

کوئی بھی نظریہ اختیار کرنا اوراس پر قائم رہنا اوراس کی پرامن تبلیغ کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ تاہم کسی فرد کو یہ حقوق دینے سے انکار کرنا جرم ہے۔ یہ سوچ کہ جیسا میں سوچتا ہوں، جو میں کرتا ہوں دوسروں کو بھی وہی کرنا چاہیے، انتہاء پسندی کے زمرے میں آتا ہے۔ انتہا پسندی کی اقسام میں مذہبی انتہا پسندی، سیاسی انتہا پسندی، معاشی انتہا پسندی، ثقافتی انتہا پسندی اورلسانی انتہا پسندی شامل ہے۔ مذہب، مسلک، قوم، ذات، رنگ، زبان اورعلاقے وغیرہ کی بنیاد پرخود کو دوسروں سے ممتاز سمجھنا انتہا پسندی ہے۔ جب کوئی مسلمان مسجد میں بم دھماکے میں مارے جانے کے خوف سے نمازادا نہ کرسکے، جب کوئی غیر مسلم اس خوف سے اپنی عبادت نہ کرسکے کہ کہیں اس وجہ سے شدت پسند اس کی جان ہی نہ لے لیں اورجب لاقانونیت کی موجودگی میں بدامنی و انتشار کی وجہ سے لوگ سکون کی نیند نہ سوسکیں تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ سارا کچھ انتہاپسندی کے باعث ہورہا ہے۔ انتہا پسند معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کو مذہب و مسلک، ذات، قوم، علاقے، جنس اور رنگ کی بنیاد پر قتل کرتے رہتے ہیں اورایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں لوگ اپنی عورتوں کو غیرت کے نام پر بڑے فخر سے قتل کرتے ہیں۔

انتہا پسندی کی روک تھام کے طرائق کار: ہمارے ملک میں انتہا پسندی کا مرض شدت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اس کی روک تھام بہت ضروری ہے۔ اس کی روک تھام کا ایک ہی راستہ ہے کہ علم کی روشنی گھر گھر پھیلائی جائے۔ علم وہ چراغ ہے جو ہر قسم کے اندھیرے سے نجات دلاسکتا ہے۔ ہمیں اپنے معاشرے میں ایسا علم عام کرنا ہوگا جو لوگوں میں مثبت انداز فکراورانسانیت دوست اقدار پیدا کرے اورلوگ ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں۔ معاشرے کو ترقی کی راہ پرگامزن کرنے کے لیے ہمیں جدیداور سائنسی علم کوفروغ دینا ہوگا۔ سائنسی علم سے لوگوں کی قدامت پرستی ختم ہواوروہ چیزوں کوعقل کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کریں گے۔

انتہا پسندی کے انسداد میں ادب، ادیب اورفنون لطیفہ کا کردار

ہارون چنہ

تہذیب وتمدن اورثقافت کی شائستگی سے مزین تقریر و تحریر کوادب کا نام دیا جاتا ہے اورادیب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نہ صرف کسی زبان کی تاریخ کو عمیق نظر سے دیکھتا ہے بلکہ اپنی زبان وقلم کے ذریعے فلسفیانہ اور مدبّرانہ انداز سے موجود کو گزشتہ سے پیوستہ کرکے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتا ہے۔ اس کے لیے ادیب کو غیر جانبدار، حقیقت پسند اور راست گو ہونا چاہئے۔ تحقیق و تدقیق، عکاسی اور مقصدیت ادب کے عناصر ہیں جو نظم ونثر کی مختلف اصناف میں کام آتے ہیں۔ اسی طرح ادیب کسی معاشرے کے لیے حوالہ کا کام دیتا ہے۔ اگرادیب سے سرزدشدہ ایک کثیف ولطیف لغزش بھی تقریروتحریر میں استعمال ہوجائے تو خمیازہ ہمیشہ ادب کو بھگتنا پڑتا ہے کیونکہ ادب کسی زبان اور ثقافت کی قابل تقلید تاریخ ہوتی ہے اور ادیب اس کا ضامن ہوتا ہے۔ دیکھا جائے تو ادب اورادیب معاشرے کے ایسے اوزار ہوتے ہیں جو لوگوں کی سوچ کا رخ کسی بھی طرف موڑ سکتے ہیں۔ جہاں تک انتہا پسندی کی روک تھام کی بات ہے تو اس زمرے میں وہ کافی اہم کردارادا کرسکتا ہے کیونکہ معاشرے کا ایک بہت بڑا حصہ باشعور اور تعلیم یافتہ ہوتا ہے اور وہ تحریروں کو نظر سے گزرنے دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جتنے فنون ہیں وہ بھی اپنی اپنی جگہ معاشرے کی اصلاح میں اپنا کردارادا کرسکتے ہیں بشرطیکہ کہ ان کا استعمال صحیح ہو۔

مذہبی انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت

حاکم علی مہر

دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں اوران کا پرچار بھی مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ انسان ان میں سے کسی ایک پر عمل پیرا ہوتا ہے اورکبھی کبھی وہ اپنے مذہب سے وابستگی کے حوالے سے انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ اب اس انتہا پسندی کا انسداد کیسے ہوگا۔ یہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن ہمیں اس دور میں یہ دیکھنا ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کیسے پروان چڑھتی ہے اوراس کے لیے کون سے ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔ اگر ہم دیکھیں تو کسی زمانے میں ریڈیو، ٹی وی اور پرنٹ میڈیا کو لوگوں کی رہنمائی اورتعلیم وتربیت کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور یہ ان کی اچھی وقت گزاری کا ایک ذریعہ بھی تھا۔ لیکن آج کل مذہبی فرقے اپنے پروپیگنڈے کے لیے میڈیا کو استعمال کررہے ہیں اور کافی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہورہے ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے مذہبی گروہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے جھگڑتے ہیں اور بدامنی اور انتشار پھیلتا ہے۔ درحقیقت اس طرح لوگوں کو حقیقت سے دور کیا جاتا ہے اوراپنے غلط نظریے ٹھونس دیئے جاتے ہیں جسکی وجہ سے مذہبی ہم آہنگی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس کے علاوہ میڈیا بھی اپنا کردار ٹھیک طرح سے نہیں ادا کررہا اور جانبداری سے کام لے رہا ہے اور غیر تربیت یافتہ لوگوں کے ذریعے غلط تاثر پھیلا رہا ہے۔ میڈیا ایک ذمہ دار ادارہ ہونا چاہیئے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری بخوبی نبھائے۔ میڈیا میں کام کرنے والے افراد تربیت یافتہ ہونے چاہئیں تاکہ لوگوں کی صحیح رہنمائی ممکن ہوسکے۔

لیہ 25-26 جولائی 2015ء

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

عون محمد

پاکستان کو آج بین الاقوامی سطح پر شدید تنقید کا سامنا ہے اور اِس کی وجہ تیزی سے بڑھتی ہوئی انتہا پسندی ہے۔ کچھ مخصوص گروہ اپنے مفادات کے حصول کے لیے انتہا پسندی کے فروغ میں سرگرم ہیں۔ آپ کو اِس ورکشاپ میں شرکت کی دعوت دینے کا مقصد انتہا پسندی کے اِن عوامل اور محرکات کو کسی حد تک کم کرنے اور کمیونٹی میں مثبت سوچ وفکر کی بڑھوتری ہے۔ دہشت گردی، مذہبی اختلافات اور صنفی انتہا پسندی نے ہمارے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا ہے اور بے روزگاری، بےانصافی اور صحت کے وسائل کی کمی نے پاکستان کی بنیادیں ہلا کر رکھی ہیں۔ آپ تمام شرکاء سے گزارش ہے کہ ورکشاپ کے دوران سیکھے گئی انسانی حقوق کی تعلیم کو اپنے گھر، خاندان، سوسائٹی اور اداروں میں دوسروں تک پہنچائیں اور انتہا پسندی کے خلاف ہماری اِس کاوش میں ہمارا ساتھ دیں۔

انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

حفیظ بزدار

حقوق حق کی جمع ہے اورحق سے مراد ایک ایسا مفاد ہے جس کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ہر انسان کو

پیدائش سے چند بنیادی حقوق مل جاتے ہیں مثلاً زندگی جینے کا حق ،آزادی رائے کا حق ،معلومات لینے کا حق ،مل جل کر بیٹھنے کا حق۔انسانی حقوق کی تحریک میں ہر دور کے علماء،صوفیا اور انقلابی رہنماؤں نے ہمیشہ آواز بلند کی ہے۔اس تحریک کے باقاعدہ آغاز کا سراغ روم اور یونان سے ملتا ہے اور اس سلسلے میں ہمورابی کا قانون بہت اہمیت کا حامل ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں کی نمائندگی کرتا ہے۔اس کے بعد یہ تحریک مختلف مراحل میں سے گزرتی ہوئی ایک عالمی منشور پر آ کر رکی جس نے اس تحریک کو باقاعدہ اور منظم شکل دی۔پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں کروڑوں جانوں کے ضیاع کے بعد اقوام عالم نے ایک معاہدہ منظور کیا جس کی پہلی شق کے مطابق تمام انسان بلاتفریق رنگ ونسل برابر ہیں۔اس معاہدے کو دنیا میں انسانی حقوق کے عالمی منشور (UDHR) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ 10دسمبر1948 کو منظور کیا گیا۔ اس کی 30 شقیں ہیں جو انسانیت کو تمام بنیادی حقوق دینے کی ضامن ہیں۔آج 192 ممالک اس معاہدے کو قبول

> ہر انسان کو پیدائش سے ہی چند بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں مثلاً زندگی جینے کا حق ،آزادی رائے کا حق ،معلومات لینے کا حق ،مل جل کر تنظیم کا حق۔

کر چکے ہیں اور انسانی حقوق کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ انسانی حقوق کو لوگوں تک پہچانے کا طریقہ بھی خود کار سسٹم کی طرح ہونا چاہیے۔یعنی لگاتار،مسلسل چلنے والا سسٹم۔شروع سے لے کر آخر تک تمام لوگوں کو ہر قسم کے حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔حکومت نے مالی وسائل کے حصول کے لئے ٹیکس عائد کر رکھے ہیں۔

ڈائریکٹ ٹیکس: جیسا کہ لفظ سے ہی ظاہر ہے کہ ایسا ٹیکس جو عوام خود جا کر حکومت کے اکاؤنٹ میں جمع کرائے ڈائریکٹ ٹیکس کہلاتا ہے۔مثلاً پراپرٹی کی خرید وفروخت پر یا پھر کوئی لائسنس بنوانے پر یا پھر گاڑی ، ادارہ وغیرہ رجسٹر کروانے پر حکومت عوام سے ٹیکس لیتی ہے۔

بالواسطہ ٹیکس: جو کہ ہم لوگ بلواسطہ طریقے سے ادا کرتے ہیں۔مثلاً مختلف کمپنیاں اپنے اوپر لگنے والے ٹیکس قیمت میں شامل کر دیتی ہیں سیلز ٹیکس وغیرہ۔جیسے گورنمنٹ ٹیکس لینے کے لیے براہ راست یا بلاواسطہ طریقہ استعمال کرتی ہے اسی طرح انسانی حقوق کی فراہمی کے لیے بھی ایک خودکار طریقہ ہونا چاہیے۔اگر ہم اندازہ لگائیں تو ایک سیاسی حلقے میں ایک دن کا ٹیکس تقریباً 50 لاکھ روپے جمع ہوتا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنا ٹیکس جمع کرانے والوں کو کیا حکومت ان کے حقوق بہم فراہم کر رہی ہے۔مزید یہ کہ ہمارے گردونواح میں بااثر افراد نے سیاست کو ذاتی کاروبار یا جاگیر بنالیا ہے۔ہم لوگ بھی ووٹ کاسٹ کرتے وقت اپنے محلوں کے چودھریوں کو سامنے رکھتے ہیں۔کسی بھی پارٹی کا منشور یا قیادت کے نظریات کی قدر نہیں کرتے۔جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں لوگ ووٹ صرف اور صرف پارٹی منشور یا پھر پارٹی قیادت کے مستقبل کے منصوبے کو سامنے رکھ کر اس کے حق میں ووٹ ڈالتے ہیں۔وہاں سیاست ایک ادارہ ہے جو بھی اہل ہوگا اسے موقع ملے گا۔جبکہ ہمارے ہاں سیاست موروثیت کا شکار ہے،ایک ایم این اے کا بیٹا ہے اگلی دفعہ ایم این اے کا امیدوار بنے گا۔پارٹی کے دوسرے کسی رکن کو اجازت نہیں ملتی۔یہاں ہمارے سیاسی حقوق کو قتل کیا جا رہا ہے۔چونکہ ہم ووٹ غلط کاسٹ کرتے ہیں اس لیے سزا بھی ہمیں کو بھگتنا پڑتی ہے۔ہمارہ معاشرہ پانچ معاشرتی ستونوں پر کھڑا ہے خاندان،تعلیم،مذہب،معیشت اور سیاست۔

ہماری سوچ کی بنیاد ہمارے خاندان سے شروع ہوتی ہے جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو ہم اپنے آس پاس ہونے والے عوامل کو آہستہ آہستہ اپنا لیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ طرز فکر میں تبدیلی کا پہلا محرک خاندان ہے۔دُنیا میں ہزاروں زُبانیں بولی جاتی ہیں جو کہ حالت و واقعات اور ضروریات کے پیش نظر سامنے آئیں۔لیکن آج ہر زبان کی اپنی الگ پہچان ہے۔ اِس طرح مذاہب بھی مختلف ہیں اور ہر کسی کو ایک دوسرے کے عقیدے اور ایمان کی عزت کرنی چاہیئے۔قرآن پاک میں کہیں بھی رب المسلمین نہیں لکھا گیا بلکہ رب العلمین لکھا گیا ہے۔ ہمارا جمہوری رویہ ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مذاہب کا احترام کریں۔جب ہم جمہوریت، جمہوریت کی آواز لگاتے ہیں تو پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ کیا ہمارے رویے اور ہمارے گھروں میں جمہوریت ہے؟ اصل مسئلہ ہی یہ ہے کہ ہمارے اندر جمہوری رویے نہیں ہیں اور کوئی ایسا ادارہ بھی نہیں جو جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے کام کرتا ہو۔اِسی طرح ہماری سوچ میں تبدیلی کے لیے ہماری کمیونٹی بھی کارفرما ہوتی ہے اور کمیونٹی میں ہماری درسگاہیں اور سکول بھی شامل ہیں۔ہمارے سکولوں میں جو نصاب ہمیں پڑھایا جاتا ہے اُس سے ہماری سوچ کی مزید ترقی ہوتی ہے۔وہ سوچ مثبت ہے یا منفی یہ نصاب پر منحصر ہے۔ہمارے ملک پاکستان کے آئین میں بھی انسانی حقوق شامل ہیں لیکن جب تک ہمیں یہ پتہ ہی نہیں کہ ہمارے حقوق کیا ہیں اور ہم کس سے وہ حقوق مانگ سکتے ہیں،کون ہمارے حقوق دینے کا مجاز ہے۔اُس وقت تک حقوق کا حصول ناممکن ہے۔ہماری درسگاہوں اور سکولوں میں پڑھائے جانے والے نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیمات کا کہیں بھی ذکر نہیں جبکہ یورپین ممالک میں پانچویں جماعت تک طالب علموں کو اُن کے بنیادی حقوق کا پتہ چل جاتا ہے۔چنانچہ ہماری سوچ میں مثبت تبدیلی کے لیے ہمیں بنیادی انسانی حقوق کا پتہ ہونا بہت لازم ہے اور اِس کے لیے انسانی حقوق کی تعلیم کا عام ہونا بہت ضروری ہے۔لوگوں کو یہ پتہ ہونا چاہیئے کہ حق کیا ہوتا ہے اور

> مذہبی انتہا پسندی کا سادہ سا مفہوم ہے کہ عقیدے کی بنیاد پر انسانوں کی برتری اور کمتری کا تعین کرنا اور اسی عقیدے کی رو سے ان سے سلوک کرنا یہ ایک طرح سے انتہا پسندی کی سب سے خطرناک قسم ہے کیونکہ انسانی تاریخ میں لوگ سب سے زیادہ اسی وجہ سے غیر انسانی سلوک کا نشانہ بنے ہیں۔

اُسے کیسے اور کہاں سے حاصل کرنا ہے۔ اِس کے لیے ریاست کا کردار مثبت ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ ریاست ایک ماں ہوتی ہے اور جس طرح ہماری سوچ کی بنیاد ہمارا خاندان ہے اُسی طرح سوچ میں مثبت تبدیلی کے لیے ریاست کا کردار بھی اہم ہے۔

انتہا پسندی کیا ہے، اسکی مختلف اقسام، ہمارے زندگی پر اثرات اور ان کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل

ڈاکٹر اشو لعل

عمومی طور پر جب ہم انتہا پسندی کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں فوراً مذہبی انتہا پسندی کا نام آتا ہے اور ایسا ہونا اس لیے فطری ہے کہ معاشرتی سطح پر ہم اس کا سب سے زیادہ شکار ہیں۔وہ اس لیے بھی کہ انتہا پسندی کی باقی اشکال واضح نہیں ہیں۔انتہا پسندی کی اہم اقسام میں مذہبی انتہا پسندی،سیاسی انتہا پسندی ،ریاستی انتہا پسندی اور لسانی انتہا پسندی شامل ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی کا سادہ سا مفہوم ہے کہ عقیدے کی بنیاد پر انسانوں کی برتری اور کمتری کا تعین کرنا اور اسی عقیدے کی رو سے ان سے سلوک کرنا۔یہ ایک طرح سے انتہا پسندی کی سب سے خطرناک قسم ہے کیونکہ انسانی تاریخ میں لوگ سب سے زیادہ اسی وجہ سے غیر انسانی سلوک کا نشانہ بنے ہیں۔یہ تمام انسانوں کا بنیادی حق ہے کہ آپ اپنے عقیدے کو برحق سمجھیں لیکن کسی کے عقیدے کو بزور طاقت تبدیل کرنا غلط ہے۔عقیدے کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کرنا اور اپنے عقائد کو بزور طاقت دوسروں پر مسلط کرنا مذہبی انتہا پسندی ہے۔اسی طرح کوئی بھی غیر ملکی ادارہ ہمارے ملک میں سرمایہ

کاری کرنا چاہے تو مذہب کے ٹھیکے دار حرام وحلال کے فتوؤں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ پھر کچھ دنوں کے وقفے کے بعد کسی مذہبی مدرسے کے حمایتی بیانات کے ہمراہ اشتہارات شائع ہوتے ہیں اور وہی چیز حلال ہو جاتی ہے جس کے حرام ہونے سے اس قدر شور مچایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اردو زبان میں کتب ورسائل کی اشاعت کے حوالے سے اسی طبقے کی جس طرح آج کل اجارہ داری قائم ہو چکی ہے شاید ضیاء الحق کے دور میں بھی نہیں تھی۔ آج مذہبی کتابوں کی اشاعت اتنی زیادہ ہے کہ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید اردو زبان مذہبی طبقے کی نشر واشاعت کے لیے مخصوص ہو چکی ہے۔

ہم سب اپنی زندگی میں کہیں نہ کہیں سماجی انتہا پسندی کا شکار ہو رہے ہیں۔ سماجی رویوں اور ضابطوں میں کسی بھی صورت انتہا پر چلے جانا سماجی انتہا پسندی کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے سماج میں بچیوں کی شادیاں طے کرتے وقت ان کی مرضی کو شامل نہیں کیا جاتا یہ سماجی انتہا پسندی ہے جس کا عموماً یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ والدین اپنے بچوں کا بُرا تھوڑی چاہیں گے۔ مگر یہ کہاں لکھا ہے کہ والدین جو بھی کہیں گے وہ ٹھیک ہے۔ اسی طرح آپ اپنی بچی کا ایک قانونی، آئینی، اور مذہبی حق چھین رہے ہیں صرف اور صرف مذہب کے نام پر یہ ایک سماجی انتہا پسندانہ فیصلہ ہے۔ اسی طرح غیرت کے نام پر قتل بھی سماج کا انتہا پسندانہ فیصلہ ہے۔ غیرت اور تقدس انہی دو لفظوں کے گرد ہم صدیوں سے گھوم رہے ہیں۔ ان گھریلو خواتین کا کیا قصور جن کی تمام عمر خود اپنے گھر میں قید میں گزر جاتی ہے۔ باپ، چچا، بھائی، بھتیجا کی مرضی سے یا پھر سسرال شوہر یا بیٹے کی۔ اس قید وبند میں اف کئے بنا عمر کی پونجی لٹا دیتی ہے۔ یہ ہمارے سماج کا عورت کے خلاف کتنا غلط اور انتہا پسندانہ رویہ ہے۔

سیاسی انتہا پسندی کی اس سماج میں اس کی مثالیں بھی بہت عام ہیں۔ طاقت کے زعم پر کسی کے ووٹ کا حق چھین لینا سیاسی انتہا پسندی ہے۔ ووٹ معاشرے کے ہر فرد کا حق ہے لیکن جب کوئی ڈرا دھمکا کر یا لالچ دے کر اس حق کو پامال کرتا ہے تو وہ سیاسی انتہا پسندی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور اسی طرح حکومت، ریاست کے سربراہان کا بھی پورا پورا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی تمام بنیادی سہولتوں اور ضرورتوں کو پورا کریں اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ بھی سیاسی انتہا پسندی کہلائے گی۔ میں یہاں کسی مخصوص پارٹی کی مثال نہیں دوں گا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ انسانی تاریخ کا سب سے چرب زبان آدمی بھی کسی بھوکے کو قائل نہیں کر سکتا کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔

انتہا پسندی کے معاشرے پر اثرات:

انتہا پسندی خواہ کسی شکل میں ہو تو وہ تباہی کا موجب بنے گی۔ کیا کبھی ایک بیماری کا علاج دوسری بڑی بیماری سے ہوا ہے؟ ایک جہالت کا مقابلہ دوسری بڑی جہالت سے، ایک پاگل پن کا خاتمہ دوسرے بڑے پاگل پن سے، ایک دہشت کا خاتمہ دوسری بڑی دہشت سے، ایک جنون کا مقابلہ دوسرے بڑے جنون سے اور ایک شدت پسندی کو دوسری بڑی شدت پسندی سے ختم کرنا اور سراسر حماقت نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ اس وقت ہم سب کو انتہا پسندی، دہشت گردی اور

ہم سب اپنی زندگی میں کہیں نہ کہیں سماجی انتہا پسندی کا شکار ہو رہے ہیں۔ سماجی رویوں اور ضابطوں میں کسی بھی صورت انتہا پر چلے جانا سماجی انتہا پسندی کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے سماج میں بچیوں کی شادیاں طے کرتے وقت ان کی مرضی کو شامل نہیں کیا جاتا یہ سماجی انتہا پسندی ہے جس کا عموماً یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ والدین اپنے بچوں کا بُرا تھوڑی چاہیں گے۔ مگر یہ کہاں لکھا ہے کہ والدین جو بھی کہیں گے وہ ٹھیک ہے؟ اس طرح آپ اپنی بچی کا ایک قانونی، آئینی، اور مذہبی حق چھین رہے ہیں صرف اور صرف مذہب کے نام پر۔ یہ ایک سماجی انتہا پسندانہ فیصلہ ہے۔

توانائی کے بحران کا سامنا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ان تمام مسائل کا مل کر مقابلہ کریں۔

اسکے بعد شرکا کو دستاویزی فلم ضمیر کی عینک دکھائی گئی، جسکا مقصد پاکستانی معاشرے میں دوہرے معیار کی تصویر کشی تھی۔ اسمیں یہ دکھایا گیا کہ ہم پاکستانی عوام بہت آسانی کے ساتھ اپنے کیے کا جرم غیر ملکی لوگوں کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ ایچ آر سی پی کی اس کاوش کو شرکا نے خوب سراہا۔

انتہا پسندی کے انسداد افروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت

حفیظ بزدار

لفظ میڈیا میڈیم سے نکلا ہے یعنی ہر وہ ذریعہ جس سے خبر دوسروں تک پہنچے میڈیا کہلاتا ہے۔ میڈیا کے آغاز میں شیر شاہ سوری کا بہت بڑا کردار ہے۔ اس نے تیز ترین ڈاک کا نظام متعارف کروایا۔ اس کا ایک گھوڑ سوار کچھ سفر طے کر کے دوسرے گھوڑ سوار کو معلومات دے کر آگے بھیجتا تھا۔ شیر شاہ سوری بادشاہ بننے سے قبل ایک سپاہی تھا اور وہ جانتا تھا کہ خبر کو جلد از جلد پہنچانا ایک بادشاہ کی طاقت ہوتی ہے۔ واشنگٹن میں نیوزیم کے نام سے ایک ادارہ کام کر رہا ہے جس کا مقصد نیوز کی ہسٹری جمع کرنا ہے۔ یہ تو میڈیا کے حوالے سے تاریخی جھلک تھی۔ میڈیا کی 3 بنیادی اقسام (1) ریاستی میڈیا (2) پرائیوٹ میڈیا (3) متبادل میڈیا ہیں۔ ریاستی میڈیا میں ریاست کے کنٹرول شدہ اخبار اور چینلز شامل ہیں جبکہ پرائیویٹ یا نجی میڈیا نجی کاروبار کی طرح ہے ان کے اپنے مفادات اور ڈھانچہ ہوتا ہے۔ اور متبادل میڈیا میں متبادل ذرائع فیس بک، ٹویٹر اور سکائپ وغیرہ ہیں اور ان کا کمانڈ اور کنٹرول لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔ ریاستی میڈیا پر حکومت سے متعلق اچھی خبریں ملتی ہیں جبکہ پرائیوٹ میڈیا پر میرٹ پر خبر نشر ہوتی ہے۔ بیرونی ممالک میں رپورٹر سے لے کر مالک تک سب کا تقرر میرٹ کی بنیاد پر ہوتا ہے اور ہمارے ہاں مالک ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ حالانکہ رپورٹر ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے مگر سب سے زیادہ استحصال اسی کا کیا جاتا ہے۔ یہ باقاعدہ تنخواہ، سیکیورٹی، پیشہ ورانہ تعلیم وتربیت سے محروم ہیں۔ سیاستدان اور اینکرز میں بھی ایک تعلق ہے۔ سیاستدان ٹی وی چینلز کا خام مال ہیں۔ میڈیا کا بھی ضابطہ اخلاق ہے۔ جس پر پاکستان میں عمل نہیں کیا جاتا۔ میڈیا نے ہر دور میں اجارہ داری قائم کی ہے۔ 2000ء میں عالمی سطح پر دنیا کے 196 بڑے چینلز نے یونین بنا کر اتحاد کر لیا اور اسے AOL کا نام دیا۔ اپنا آئین اور ضابطہ اخلاق بنایا اور ہٹلر کے پروپیگنڈا ماسٹر جوزف گوئبلز کا اصول اپنایا کہ جھوٹ اتنا بولو کہ سچ کا گمان ہو اور بہترین جھوٹ وہ ہے جس میں سچ کی آمیزش بھی شامل ہو۔ اس سے انسان سوچنے پر مجبور ہوا کہ سب چینلز ایک ہی چیز دکھا رہے ہیں تو ٹھیک ہوگا۔ دنیا نے اس پر تنقید کی۔ اسی طرح پاکستان میں 2001ء میں چینلز کا ایکا ہوا کہ ایک دوسرے کے خلاف بات نہیں کریں گے۔ 2008 تک اس پالیسی پر عمل کیا گیا۔

اینکر کشتی کو کنارے لگانے والے کہتے ہیں لیکن ہمارا اینکر ہر موضوع پر ہر فن مولا ہوتے ہیں ان کے خیال میں وہ حکومت کو گرا بھی سکتے ہیں جب چاہیں اور جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اینکر زخود ہی مسئلے بیان کرتے ہیں اور مسئلے کا حل بھی خود ہی کر لیتے ہیں جوان کا کام نہیں۔ آج میڈیا کی ترقی نے دنیا کو ایک گلوبل ویلج بنا دیا ہے۔ رائے عوامہ کی خبر کو سچائی سے عوام تک پہنچانا چاہئے۔ رپوٹر کا دیانتدار اور غیر جانبدار ہونا اور یہ ادراک رکھنا کہ کرنا کیا ہے بہت ضروری ہے۔

میڈیا میں گیٹ کیپر اور پیمرا کا کردار ادا نہیں ہو پا رہا۔

گیٹ کیپر ایک ایسے عہدہ کا نام ہے جسکا کام ایسی تمام خبروں کو روکنا ہے جس سے معاشرے میں بدامنی یا انتشار پھیلے۔ میڈیا ہماری ریاست کا ایک مضبوط ستون ہے۔ اگر میڈیا دیانتداری سے اپنا کردار ادا کرے تو پاکستان کی ترقی میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔کسی بھی شعبہ میں جانے کے لیے باقاعدہ تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ پاکستان میں متعدد میڈیا افراد تعلیم یافتہ نہیں۔ ان کی بھی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔

طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

شاہد رسول

کبھی کبھی جب میرا سویا ہوا ضمیر مجھے جھنجھوڑ کر ایک ہی سوال کرتا ہے کہ کون ہے تو؟ تیرے ہونے کا مقصد کیا ہے؟ خود کو میں کچھ سال پیچھے لے کر جاتا ہوں تو میں اپنے آپ کو ایک تعلیمی ماحول کے اندر ڈھالتا ہوں تو مجھے اپنے وہ 20 سال جو میں نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے گزارے بے کار لگتے ہیں۔ 1857ء سے جب انگریزوں نے اس برصغیر پر حکومت شروع۔ انہوں نے ہمارے ہاں ایسے تعلیمی نظام کو متعارف کروایا جس تعلیمی نظام سے آج ہم ماشاءاللہ ڈاکٹر، انجینئر، بزنس مین، وکیل اور بہت اچھے پروفیسر بن رہے ہیں اور ہم اس چیز پر خوش نہیں نازاں ہیں۔مگر یہ ہماری زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمیں تو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہی نہیں ہے۔ ہم اپنے آپ کو بس ایک ملازمت کے قابل بنا رہے ہیں اور ایک جھوٹے وقار ،عزت کے لئے ساری زندگی برباد کر دیتے ہیں۔ پچھلے 300 سالوں سے ہماری مسلم کمیونٹی میں کوئی مفکر پیدا نہیں ہوا۔اگر پاکستان کی بات کی جائے تو یہاں پر تو بالکل نہیں اور اس چیز کا سارا کا سارا قصور میں اپنے تعلیمی معیار اور تعلیمی سسٹم کو دیتا ہوں۔ہمیں صرف اور صرف پڑھایا جا رہا ہے اور کیا پڑھایا جا رہا ہے اس کا ہمیں پتہ ہی نہیں ہے۔ ہماری اس قوم میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ بہادری، شجاعت ،محنت ،لگن، دلچسپی کسی بھی چیز کا فقدان نہیں ہے اگر کمی ہے تو شعور کی اور وہ شعور صرف اور صرف ہمارے اس تعلیمی ماحول سے ملے گا۔ ہمارے تعلیمی ماحول میں ہمیں صرف اور صرف مسلمان بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور ہمیں ملازمت کے قابل بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہیں۔ ہم اس تعلیمی ماحول میں صرف اور صرف تعلیمی بوجھ کے نیچے دبتے جا رہے ہیں۔تعلیم ہمارے لئے ایک بوجھ بن کر رہ گئی ہے۔جس نے ہماری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔شعور کی بیداری کے لئے سب سے پہلے ہمیں تعلیمی شعور کو سمجھنا پڑے گا۔ نہ تو ہمارا تعلیمی سسٹم بہتر ہے اور نہ ہی ہمارا تعلیمی معیار برابر ہے۔اس شعور کی بیداری کے لئے جو لوگ اس تعلیمی نصاب کو تشکیل دیتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ معیاری تعلیمی نصاب تشکیل دیں اور جو ہماری قوم کے معمار ہیں ان کی اچھی تربیت کی جائے۔ ہمیں ایسے تعلیمی نظام کی ضرورت ہے جس سے ہم میں اچھی سوچ اور فکر پیدا ہو جو ہمارے لئے بوجھ نہ ہو۔ ایسا نظام جو ہمیں پیشہ وارانہ سوچ کا قیدی نہ بنائے ہمیں انسانیت کا دعوے دار بنائے۔

انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں ریاستی اداروں کا کردار

شعیب حسن

ہر معاشرے میں ریاستی اداروں کا کردار ہمیشہ با اثر اور نمایاں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ریاستی ادارے ہی کسی ریاست کو کمزور، طاقتور، ترقی یافتہ، خوشحال، بدحال یا تنزلی کی طرف لے کر جاتے ہیں۔ پاکستان میں ریاستی اداروں کا کردار انتہا پسندی کے انسداد اور فروغ دونوں میں با اثر اور نمایاں رہا ہے۔سب سے پہلے فروغ والے حصہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ریاستی اداروں کا انتہا پسندی کے فروغ میں کردار کو سمجھنے کیلئے تین چیزوں کے مدنظر رکھنا ضروری ہے، تاریخ، بین الاقوامی سیاست اور جغرافیہ۔ یہ تین چیزیں مل کر ریاست کے کردار کو سمجھنے میں مددگار ہو سکتی ہیں۔ بالخصوص پاکستان کے تناظر میں سب سے پہلی چیز ہے تاریخ۔تاریخ سے یہاں مراد 11 اگست 1947 کا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جب قائداعظم محمد علی جناح ایک نومولود قوم کو ایک نئی زندگی جینے کا طریقہ سکھا رہے ہیں۔ وہ طریقہ مذہبی، معاشرتی، اور معاشی برابری اور مساوات کا طریقہ تھا۔ ذرا سوچئے ایک باپ کتنی محنت سے اپنے بچوں کے لئے گھر تعمیر کرتا ہے۔ مکان مکمل ہو جانے پر اپنے بچوں کو سمجھاتا ہے کہ اس مکان کو گھر کیسے بنانا ہے۔ اگر باپ کی وفات کے بعد بچے اسی گھر کی ترتیب خراب کر دیں کیا وہ گھر اسی شان و شوکت سے قائم رہے گا جس کے لئے اس گھر کا قیام عمل میں لایا گیا تھا؟ ہرگز نہیں!

بالکل اسی طرح قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان ہم سب کے لئے بنایا تھا۔اس گھر میں رہنے کی ترتیب بھی ہمیں 11 اگست کو بتا دی تھی قائداعظم نے مذہب کو ریاست سے الگ رکھنے کی ہدایت کی۔مگر یہ نہ ہو سکا یا ایسا کرنے نہ دیا گیا بلکہ ایک غیر متوازن سوچ کو ریاست پر مسلط کر دیا گیا۔انتہا پسندی کے فروغ میں 70 اور 80 کی دہائی میں جنوبی ایشیا اور اس کے گرد و نواح میں بہت سے واقعات تیزی سے رونما ہو رہے تھے۔1971ء میں مشرقی پاکستان الگ ہو گیا جس نے مغربی پاکستان کی بقا بھی خطرے میں ڈال دی۔نئی قوموں کو ہمیشہ بقا کا خطرہ رہتا ہے اور قیام پاکستان کے صرف 24 سال بعد اس حادثے نے مغربی پاکستان کی بقا کا خطرہ مزید بڑھا دیا۔1979ء میں روس افغانستان میں داخل ہو جاتا ہے۔

1979ء میں ہی ایران میں اسلامی انقلاب آتا ہے اور امریکہ کا اثر خطے میں مزید کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب امریکہ اور روس کے درمیان سرد جنگ عروج پر ہے۔پاکستان اور امریکہ دونوں مل کر روس کے خلاف لڑتے ہیں۔اس کے لئے ریاست پاکستان کے ادارے مدرسہ کلچر کو فروغ دیتے ہیں۔یہی مدرسہ کلچر آنے والی دہائیوں میں انتہا پسندی کا موجب جاتا ہے۔انتہا پسندی کے فروغ میں نہ صرف ریاستی اداروں کا کردار ہے بلکہ اب معذرت خواہانہ رویہ بھی ہے۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے بجائے اس کے کہ لوگوں کو تحفظ فراہم کریں وہی لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کرتے ہیں۔اس کی مثال دنیا پور کے وہ میاں بیوی ہیں جنہیں پولیس نے فلاحی کام بند کر کے شہر چھوڑ جانے کو کہا۔انسداد دہشت گردی کے قوانین ناقص ہیں اور وکلاء بھی خوف کے باعث تضحیک مذہب کے مقدمات کی پیروی کے لئے تیار نہیں۔پاکستان کے انسداد دہشت گردی سے متعلق قانون سازی کے نظام میں خامیاں ہیں۔الغرض پاکستان میں انتہا پسندی کو فروغ دینے ریاستی اداروں کا کردار نمایاں رہا ہے۔

سوال: ریاست کو کرنا کیا چاہیئے؟

جواب: ریاست کو ہر بچے کی تعلیم اور حفاظت کے لیے بلاتفریق اقدام کرنے چاہیئے۔ریاست کو مذہب سے دور رہنا چاہئیں۔ ریاست کو بندوق اور قلم کی طاقت کے فرق کو سمجھنا چاہیئے۔

حاصل بحث

ورکشاپس کے انعقاد سے انسانی حقوق سے متعلق شرکاء کو علم میں اضافہ ہوا۔شرکاء شدت پسندی کے تصورات و رجحانات سے اچھی طرح آگاہ ہوئے۔شرکاء اپنی کمیونٹی کو انسانی حقوق کی تعلیم دینے کے قابل ہوئے۔ وہ منظم کام کی اہمیت اور افادیت سے آشنا ہوئے۔شرکاء میں انسانی حقوق کی ترویج اور امن کے فروغ کا شوق پیدا ہوا۔

سیکھنے کا تعمیراتی عمل

(سبط حسن اور قدسیہ کلثوم کے تحریر کردہ کتابچے سے اقتباس)

روایتی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ بچے کا دماغ ایک خالی ڈبہ ہے۔ اس ڈبے میں استاد معلومات بھرتا ہے یا بچہ رٹہ لگا کر معلومات کو اپنے طور پر اپنے دماغ کی تجوری میں بھر لیتا ہے۔ امتحان میں پرچہ سوالات ایک چیک کا کام کرتا ہے اور دماغ کا بینک، حسب فرمائش معلومات واپس لوٹا دیتا ہے۔ اس طرح آخر کار دماغ کی تجوری یا بینک خالی رہ جاتا ہے۔ تحقیق کے مطابق اس طریقے سے بچہ کچھ نہیں سیکھتا کیونکہ سیکھنے کے عمل کی پہلی سیڑھی معلومات کو سمجھنا ہے۔

بچے کے اردگرد جو کچھ بھی ہو رہا ہے، بچہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ مختلف مشاہدات کے درمیان تعلق قائم کر کے ان میں نئے معانی تلاش کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ مشاہدات کے درمیان تعلق اور ان سے نکالے گئے معانی درست ہوں گے مگر ایک بات یقیناً باعث اطمینان ہے کہ بچہ مختلف مہارتوں کو استعمال کر کے نئی معلومات پیدا کر رہا ہے۔ سیکھنے کا یہ خود مختار عمل دراصل اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر یہ عمل جاری رہا تو بچہ ایک دن بہت بڑا سائنس دان یا محقق بن جائے گا۔ واضح رہے کہ ایک عام آدمی اور سائنس دان کے اردگرد کی دنیا کو دیکھنے کے زاویے میں بنیادی فرق یہی سائنسی عمل ہے۔ اس سائنسی عمل کی بنیاد سوال کرنے پر ہوتی ہے۔ جب تک سوالات کا سلسلہ جاری رہے گا، یہ عمل جاری رہے گا اور سادہ سے پیچیدہ معاملات کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔

سیکھنے کے عمل کو تعمیر کرنے سے کیا مراد ہے؟

جیسے جیسے بڑوں نے اپنے بچوں کے بارے میں نظریات تبدیل کیے، ویسے ویسے ان کو سیکھنے کے نظریات اور طریقے بھی تبدیل ہوتے گئے۔ مثال کے طور پر قدیم زمانے میں جانوروں کو سدھانے اور بچوں کو تربیت میں خاطر خواہ تفریق موجود نہ تھیں۔ سدھانے کا مقصد جانوروں میں مخصوص کام کرنے کی جسمانی اہلیت پیدا کرنا تھا۔ سدھانے کے اسی نظریے کو بچوں پر بھی لاگو کیا گیا۔ جانوروں میں مسلسل مشق کے ذریعے مخصوص جسمانی کام کرنے کی صلاحیت پیدا کی جاتی تھی۔ اس طرح مسلسل مشق کو ہی بچوں کی تربیت کا موزوں طریقہ مان لیا گیا۔ اگر جانور طے کردہ مشق میں کوتاہی برتتے تو ان کو جسمانی سزا دی جاتی، انہیں کوسا جاتا اور گالیاں دی جاتیں۔ بچوں پر بھی یہی طریقہ نافذ کیا جاتا۔ جانوروں کو سدھاتے وقت، اچھی کارکردگی کی صورت میں تھپکی یا کھانے کے لیے کچھ دیا جاتا اور اسی طرح بچوں کو سزا اور جزا کے اصول پر چلاتے ہوئے ان کی تربیت کی جاتی۔ تربیت کا یہ نظام محض بچوں کی تربیت تک محدود نہ تھا، یہ ایک وسیع تر سماجی نظام کو قائم کرنے کی بنیادی کلا تھی۔ نہ صرف دنیاوی بلکہ مذہبی نظامات بھی اسی جزا اور سزا کے اصول پر قائم ہوئے۔ یہ نظام ان معاشروں کے لیے کارآمد تھا، جہاں افراد کی اپنی شعوری حیثیت اور انفرادیت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ اپنی زندگی کے ہر پہلو اور ہر کام کو اجتماعی طور پر طے شدہ اسلوب کے مطابق گزارتے تھے۔ انہی اسالیب کی بنیادی تربیت گاہ گھر کو سمجھا جاتا تھا۔

1.1 سیکھنے کے تعمیراتی عمل کی ابتدا۔ سوال اور مکالمہ

بیسویں صدی کے وسط میں یورپ میں روایتی طور پر اجتماعیت اور اس کی قربان گاہ پر افراد کی قربانیوں کی گنجائش ختم ہوگئی۔ سرمایہ دارانہ نظام کی کامیابی صارفانہ مزاج پر تھی اور صارفانہ مزاج کی روح انفرادیت پسندی پر تھی۔ یہ وہ دور تھا جب بڑوں نے بچوں کو جاننے کے بارے میں اپنے نظریات کو تبدیل کرنے کی کوشش شروع کی۔ انہوں نے بچے کی دنیا، اس کی انوکھی حیثیت کو دریافت کرنے کے لیے تحقیقات شروع کیں۔ اس طرح وسیع تر معنوں میں انفرادی تربیت اور اجتماعی شعور سازی سے متعلق تبدیلیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اسی دور میں سیکھنے کے عمل کو تعمیر کرنے کا تصور پیش کیا گیا۔ اس نظریے میں یہ بات سمجھائی گئی کہ سیکھنے والا بچہ سیکھنے کے عمل کو اپنے طور پر تعمیر کرتا ہے۔ یہ عمل پہلے سے سیکھی گئی معلومات پر تعمیر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر نیچے دیئے گئے مکالمے میں بچہ مندرجہ ذیل کیفیات کے بارے میں بخوبی جانتا تھا۔

1۔ بارش بادلوں سے ہوتی ہے۔
2۔ بادل، پانی کی ترسیل کا ذریعہ ہوتے ہیں۔
3۔ بادلوں میں پانی سمندر سے آتا ہے۔
4۔ بادل پانی کی ترسیل کا ذریعہ ہوتے ہیں۔
5۔ بادلوں کی حرکت میں ہواؤں کا کردار ہوتا ہے۔

انہی تصورات کو بنیاد سمجھ کر بارش ہونے کے معاملے کو بھی کلی طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اس عمل میں بچہ اپنے پہلے سے موجود مشاہدات کو متحرک کر کے نئے معانی اور ان کے درمیان تعلق قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ یعنی یہ کہ بارش کیوں کر ہوتی ہے، کے عمل کو سمجھنے کا طریقہ وہ اپنے طور پر اختراع کرے گا۔ اس طرز کے سیکھنے اور اس سے پیدا ہونے والے عمل میں مرکزیت، اول و آخر بچے میں متحرک ہونے والے تعمیراتی عمل کو حاصل ہے۔ اس عمل میں استاد ایک معاون یا مددگار کا کردار ادا تو کر سکتا ہے، اس عمل کی قیادت نہیں کر سکتا۔ سیکھنے کا یہ تعمیراتی عمل، بچے کی آزادروی اور خودمختاری کے بغیر ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر سات سال کے بچے سے اس کے ماموں کا مکالمہ ملاحظہ کریں۔

ماموں، بھانجے کے درمیان مکالمہ

ماموں: لگتا ہے، یہاں تو بڑی بارش ہوئی ہے، کل میں لاہور میں تھا، وہاں تو بالکل بارش نہیں ہوئی؟

بچہ: میں رات سویا ہوا تھا۔ بادلوں کے گرجنے سے میں ڈر گیا تھا۔ اسی وقت بارش کے پانی کے گرنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔

ماموں: کیا ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ بادل گرجے اور ساتھ بارش بھی ہو؟

بچہ: ہاں بالکل۔

ماموں: ایسا کیوں ہوتا ہے؟

بچہ: جب بادل آئیں تو بارش ہوتی ہے۔ بادل جب بھی آئیں، وہ گرجتے ضرور ہیں۔ پتہ نہیں کیوں؟ آپ بتائیں۔

ماموں: اچھا پہلے یہ بتاؤ کہ جب بادل آئیں تبھی بارش

بچہ کیوں کر معانی تعمیر کرتا ہے؟

جانوروں کی زندگی کی سرگرمیوں کو جبلی سطح پر طے کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھینس کی زندگی ہزاروں سالوں میں تبدیل نہیں ہو سکی۔ اس طے شدہ سکیم میں بھینس کے لیے اپنی زندگی اور اردگرد کی دنیا کو تبدیل کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس کے برعکس انسان میں تخیل اور تجسس ایسی خصوصیات ہیں جن کی بنیاد پر وہ مسلسل اپنے اردگرد فطرت کو تبدیل کرتا رہتا ہے۔ فطرت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ وہ خود اپنے آپ کو تبدیل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کا بچہ بھی فطرت، انسانوں اور اداروں کے ساتھ تعامل کر کے ان کے اپنے ساتھ تعلق میں معانی تلاش کرتا ہے۔ اس عمل کی بنیاد تجسس پر ہے اور تجسس سے سوالات کے پیدا ہونے اور ان کے جوابات تلاش کرنے کا عمل چلتا رہتا ہے۔

کیوں ہوتی ہے؟

بچہ: بادل اپنے اندر پانی بھر کر لاتے ہیں، اسی لیے جب وہ آتے ہیں تو بارش ہوتی ہے۔

ماموں: بادل کہاں سے پانی لاتے ہیں؟

بچہ: یہ سمندر سے پانی بھر کر لاتے ہیں۔

ماموں: یہ سمندر تک کیسے جاتے ہیں؟

بچہ: ہوائیں ان کو اڑا کر لے جاتی ہیں۔ جب ان میں سے پانی نکل جاتا ہے تو بادل بالکل ہلکے ہو جاتے ہیں اور ہوائیں ان کو آسانی سے اڑا لیتی ہیں۔

ماموں: بادل اپنے اندر پانی کیسے بھرتے ہیں؟

بچہ: بادل بالکل پلاسٹک کے لفافے کی طرح ہوتے ہیں، ان میں پانی بھر جاتا ہے۔

ماموں: کیا ہوائیں۔۔۔۔ پلاسٹک کے لفافے کو دھکیل لیتی ہیں؟

بچہ: صحیح طریقے سے نہیں دھکیل پاتیں، اسی لیے تو یہ پھٹ جاتا ہے اور پانی نیچے گرنے لگتا ہے۔

یہ سات سال کے بچے کا بارش اور بادلوں سے متعلق بنیادی تصور ہے اور سوال کر کے اسے بعینہٖ بچے سے لے لیا گیا۔ ان تصورات میں کچھ تصورات تو درست ہیں اور کچھ بچے نے اپنے روزمرہ تجربات/مشاہدے سے خالی جگہ پُر کرنے کے لیے استعمال کر لیے ہیں۔ سیکھنے کا عمل دراصل بچے کو انہی بنیادی تصورات سے سائنسی تصور تک لانے سے متعلق ہے۔ بچے نے جن تصورات کی بنیاد پر بارش ہونے کا عمل سمجھایا، ان میں سے مندرجہ ذیل سائنسی طور پر درست ہیں۔

1۔ بارش بادلوں سے ہوتی ہے۔

2۔ ہوائیں بادلوں کو لاتی ہیں۔

3۔ بادلوں میں پانی سمندر سے آتا ہے۔

چونکہ مجموعی طور پر بچے کا تصور، حقیقی صورتحال سے منسلک نہیں، اس لیے اس نے بادلوں کو ایک پلاسٹک کے بیگ سے تشبیہ دی ہے۔ پلاسٹک کے بیگ میں پانی بھرنا، بچوں کا مرغوب مشغلہ ہے اور پلاسٹک سے پانی گرنا ان کا عمومی مشاہدہ ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ بچے نے پلاسٹک میں پانی بھرنے کے مشغلے کو ایک بڑی سطح یا بادلوں پر منطبق کیا۔ انہی بنیادی تصورات کو بنیاد بنا کر ہم بچے کو بادل بننے کا معاملہ سمجھا سکتے ہیں۔ اسے سیکھنے کا تعمیراتی عمل کہتے ہیں۔ اس کے بنیادی تصورات یہ ہیں۔

1۔ گرمی سے آبی بخارات اوپر اٹھتے ہیں۔

2۔ ہوائیں جب اوپر اٹھتی ہیں تو ان میں موجود آبی بخارات بھی اوپر اٹھتے ہیں۔

3۔ جب ہوائیں زمین کی سطح کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی ہوئی ٹھنڈے علاقوں کی طرف جاتی ہیں تو ان میں موجود آبی بخارات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔

4۔ ہوائیں بادلوں کو لے ادھر ادھر پھرتی ہیں اور جہاں بادلوں میں موجود آبی بخارات بھاری ہو جائیں، وہیں گر جاتے ہیں۔ اسے ہم بارش ہونا کہتے ہیں۔

بچے سے مکالمہ کر کے ہم اسے سیکھنے کے عمل کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ اس مکالمے کی بنیاد سوال پر ہے۔

1۔ گرمی سے آبی بخارات اوپر اٹھتے ہیں۔

ماموں: کپڑے دھونے کے بعد انہیں دھوپ میں کیوں ڈالتے ہیں؟

بچہ: پتہ نہیں۔

ماموں: جب کپڑے دھوتے ہیں تو وہ خشک ہوتے ہیں یا گیلے؟

> سیکھنے کے تعمیراتی عمل میں یہ بات مسلمہ ہے کہ سیکھنے کا عمل محض معلومات کا اجتماع نہیں جو کہ کسی بھی اردگرد کتابوں یا ویب سائٹس پر میسر ہیں۔ ان گونگی بہری اور بے جان معلومات میں زندگی اس وقت پیدا ہوگی جب کوئی شخص اپنی زندگی کے سابقہ تجربات اور حوالوں سے ان میں نئے معانی پیدا کرے گا۔ یہ نئے معانی چونکہ کسی کی زندگی کے حوالے سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے یہ معانی زندگی کو سمجھنے یا تبدیل کرنے کی گنجائش بن سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کھانوں کی میسر تمام کتابیں پڑھ لیں۔ معلومات کو ازبر کر لیں۔ آپ کو یقین دلایا جا سکتا ہے کہ آپ کبھی عمدہ کھانا نہیں پکائیں گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کھانا پکانے کی کوشش کریں۔ کھانا پکانے کی یہ کوشش آپ کے سابقہ تجربات میں پیوست ہوگی۔

بچہ: گیلے۔

ماموں: کپڑے کیوں گیلے ہوتے ہیں؟

بچہ: کل سارہ نے مجھ پر پانی گرایا تھا تو میری قمیص بھیگ گئی تھی۔ پانی گرنے سے کپڑے گیلے ہو جاتے ہیں۔

ماموں: جب کپڑوں کو دھوتے ہیں تو انہیں پانی میں ڈالتے ہیں۔ اس طرح کپڑے گیلے ہو جاتے ہیں۔ ان کو نچوڑ لیں پھر بھی ان میں پانی رہتا ہے۔ تو پھر بتاؤ کہ جب ہم انہیں دھوپ میں ڈالتے ہیں تو وہ گیلے ہوتے ہیں یعنی ان میں پانی ہوتا ہے۔ جب ان کو رسی سے اتارتے ہیں تو اس وقت وہ کیسے ہوتے ہیں؟

بچہ: وہ خشک ہوتے ہیں۔ میری قمیص بھی تھوڑی دیر کے بعد خشک ہو گئی تھی۔

ماموں: دھوپ میں کپڑے ڈالیں تو وہ جلدی خشک ہوتے ہیں یا سائے میں؟

بچہ: دھوپ میں۔

ماموں: کیوں؟

بچہ: دھوپ گرم ہوتی ہے۔

ماموں: اس سے کیا ہوتا ہے؟

بچہ: پتہ نہیں۔

ماموں: آپ سوچو۔ اگر دیگچی میں پانی ڈال کر اسے آگ پر رکھ دیں تو کیا ہوتا ہے؟

بچہ: پانی ابلنے لگتا ہے۔ اس سے چائے بناتے ہیں۔

ماموں: اگر پانی ابلتا رہے، ابتلا رہے تو پھر کیا ہوگا؟

بچہ: معلوم نہیں؟

ماموں: آؤ پانی ابال کر دیکھتے ہیں؟

تجربہ: پانی ابالا اور پانی دیگچی میں بالکل نہ رہا۔

ماموں: آپ نے پانی ابالتے وقت کیا دیکھا؟

بچہ: پانی پہلے ٹھنڈا تھا۔ پھر گرم ہوا۔ پھر ابلنے لگا۔ ابلتا رہا اور پھر خشک ہو گیا۔

ماموں: جب پانی ابل رہا تھا تو آپ نے کوئی ایسی چیز دیکھی جو پہلے نہ تھی؟

بچہ: چلو دوبارہ دیکھتے ہیں۔

تجربہ: پانی پھر ابالا جاتا ہے۔ بچہ اسے غور سے دیکھتا ہے۔

ماموں: اب بتاؤ، جب پانی ابلا تو آپ کو کونسی ایسی چیز نظر آئی جو پہلے نہیں تھی؟

بچہ: پانی جب ابلنے لگا تو اس میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔

ماموں: شاباش، اب یہ بتاؤ کہ یہ بھاپ کہاں گئی؟

بچہ: اوپر اڑ گئی۔

ماموں: جب گیلے کپڑوں پر دھوپ پڑی تو کپڑے خشک ہو گئے۔

بچہ: دھوپ کی گرمی نے کپڑوں میں پانی کو گرم کر دیا اور وہ اوپر اڑ گیا۔

ماموں: اچھا اب ایک اور تجربہ کرتے ہیں۔

تجربہ: بیکر میں پانی ابالتے ہیں اور جب پانی گرم ہو جائے تو اوپر پلاسٹک کی تھیلی میں برف ڈال کر رکھ دیتے ہیں۔

ماموں: دیکھو کیا ہو رہا ہے؟

بچہ: پانی ابل رہا ہے اور برف کے ساتھ دھواں سا اٹھنے

لگا ہے۔

ماموں: اس دھوئیں کو ہاتھ لگا کر دیکھو۔

(بچہ دھوئیں کو ہاتھ لگاتا ہے)

بچہ: میری انگلی تو گیلی ہوگئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟

ماموں: جب پانی ابلا تو تم نے دیکھا تھا کہ اس سے بھی انگلی گیلی ہوگئی تھی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب پانی ابلتا ہے تو جو بھاپ اٹھتی ہے اس میں پانی ہوتا ہے۔ جب بھاپ برف کے ساتھ لگی تو پھر پانی کے قطروں میں تبدیل ہوگئی۔

بچہ: برف نے بھاپ کو پانی کیوں بنا دیا؟

ماموں: جب پانی گرم کیا تو وہ بھاپ بن گیا۔ برف کے ساتھ لگنے سے اس میں موجود گرمی نکل گئی اور وہ پھر پانی بن گیا۔

بچہ: اگر پانی اور ٹھنڈا ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟

ماموں: آپ خود بتاؤ۔

بچہ: پتہ نہیں

ماموں: فریج سے برف کا ایک ٹکڑا لاؤ اور اسے زمین پر پھینک دو۔

(بچہ ایسا ہی کرتا ہے اور برف کے ٹکڑے کو بغور دیکھتا ہے)

ماموں: کیا ہوا؟

بچہ: برف تو پانی بن گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ برف بھی پانی ہی ہوتی ہے۔ مگر یہ پانی برف کیسے بنا؟

ماموں: فریج کے اوپر والے حصے میں بہت زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے۔ اس قدر کہ یہاں پانی برف بن جاتا ہے۔

بچہ: اس کا مطلب یہ ہوا کہ پانی کو گرم کریں تو یہ آبی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے اور جب یہ ٹھنڈی جگہ سے ٹکرائے تو پھر پانی بن جاتا ہے اور اگر بہت زیادہ ٹھنڈا ہو جائے تو پھر برف۔۔۔

(ماموں جنوبی ایشیا کے جغرافیائی خدوخال کی نشاندہی کرے والا نقشہ دکھا کر بچے کو بتاتے ہیں)

ماموں: بحر ہند اور بحیرہ عرب کرمی کے موسم میں شدید گرمی پڑتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟

بچہ: پانی گرم ہوتا ہے اور آبی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔

ماموں: اگر ہوائیں سمندر سے پہاڑ کی طرف چلیں تو آبی بخارات کس طرف جائیں گے؟

بچہ: پہاڑ کی طرف

ماموں: جب ہوائیں اوپر اٹھیں گی تو وہ ٹھنڈی ہوں گی۔ اسی طرح جس طرح ہم نے دیکھا کہ جب ابلتے ہوئے پانی سے اٹھنے والے بخارات برف کی پوٹلی سے ٹکرائے تو وہ بھاپ جیسے نظر آنے لگے۔ اصل میں وہ ہوائیں جو سمندر سے اٹھیں وہ پہاڑ پر جا کر بادل بن گئیں۔

ماموں: ہمارے علاقے کے شمال میں بہت اونچے پہاڑ ہیں، ہوائیں ان سے ٹکرا کر واپس لوٹتی ہیں تو وہ بادل بن جاتی ہیں۔ ان بادلوں میں آبی بخارات جب زیادہ بھاری ہو جائیں تو وہ نیچے گر جاتے ہیں۔ اسے ہم بارش کہتے ہیں۔

نوٹ: اس مکالمے کے دوران بچے نے صرف معلومات ہی نہیں سیکھنے کی مہارتیں، مثلاً مشاہدہ کرنے، ایک عمل سے نتائج اخذ کرنے اور تخیل میں مختلف کیفیات کی الٹ پھیر کی مہارتیں بھی سیکھیں۔

اضافی معلومات

1۔ بچے کو مون سون کی بارشوں کا بتایا جا سکتا ہے۔

2۔ برف یا ژالہ باری

3۔ صحراؤں پر بارش کیوں نہیں ہوتی؟

سیکھنے کے تعمیراتی عمل میں یہ بات مسلمہ ہے کہ سیکھنے کا عمل محض معلومات کا اجتماع نہیں جو کہ کسی بھی اردگرد کتابوں یا ویب سائٹس پر میسر ہیں۔ ان گونگی بہری اور بے جان معلومات میں زندگی اس وقت پیدا ہوگی جب کوئی شخص اپنی زندگی کے سابقہ تجربات اور حوالوں سے ان میں نئے معانی پیدا کرے گا۔ یہ نئے معانی چونکہ کسی کی زندگی کے حوالے سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے یہ معانی زندگی کو سمجھنے یا تبدیل کرنے کی گنجائش بن سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کھانوں کی میسر تمام کتابیں پڑھ لیں۔ معلومات کو ازبر کر لیں۔ آپ کو یقین دلایا جا سکتا ہے کہ آپ کبھی عمدہ کھانا نہیں پکائیں گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کھانا پکانے کی کوشش کریں۔ کھانا پکانے کی یہ کوشش آپ کے سابقہ تجربات میں پیوست ہوگی۔ آپ کی سابقہ معلومات، مہارتیں اور کھانے کے آداب کے تناظر میں آپ کھانوں کے نئے ذائقے تلاش کریں گے۔ اسی طرح فنون لطیفہ میں مختلف انداز فکر اور اسلوب موجود ہیں۔ ان تمام کی معلومات حاصل کرنے کے بعد شاید آپ بے رس گفتگو تو ضرور کر سکتے ہیں مگر آپ کبھی بھی فنکار نہیں بن سکتے۔ فن کار بننے کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود سے اپنے پسندیدہ فن کی مشق کریں۔ اس سے آپ میں پہلے سے موجود صلاحیتوں کو جلا ملے گی۔ آپ نئی مہارتیں پیدا کریں گے اور آخر آپ کا اپنا اسلوب سنورے گا جو آپ کی اپنی تخلیق ہوگا اور وہ آپ کی شخصیت کی توسیع کرے گا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ سیکھنے کے تعمیراتی عمل میں، سیکھنے والا نیا علم پیدا کرتا ہے۔

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔
- ہر شمارہ کی قیمت مبلغ =/5 روپیہ ہے
- سالانہ خریداروں کے لیے =/50 روپیہ ایسے خریدار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (Human Rights Commission of Pakistan) کے نام صرف =/Rs.50 کا منی آرڈر یا ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا جائے گا) ہمارے ہیڈ آفس کے پتہ پر روانہ کریں۔ پتہ یہ ہے:

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے اب ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

کاری، کارو کہہ کر مارڈالا:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور ''جہدحق'' کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 26 جون سے 25 جولائی تک 25 افراد پر کاروکاری کا الزام لگا کر قتل کردیا گیا۔ جن میں 17 خواتین اور 8 مرد شامل ہیں۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	آلہ واردات	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	واقعہ کی بظاہر کوئی اور وجہ	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
28 جون	فدا حسین بروہی	مرد	۔	۔	گل بہار بروہی	بندوق	۔	گوٹھ پیروز بروہی، گڑھی خیرو، جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
28 جون	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گل بہار بروہی	بندوق	دیور	گوٹھ پیروز بروہی، گڑھی خیرو، جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
یکم جولائی	امیر مارفانی	مرد	33 برس	شادی شدہ	رشتہ دار	بندوق	۔	نزد ہمایوں، شکارپور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
یکم جولائی	نور جہاں مارفانی	خاتون	30 برس	شادی شدہ	برادری والے	بندوق	۔	نزد ہمایوں، شکارپور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
یکم جولائی	سہنی مگسی	خاتون	۔	۔	امام الدین مگسی	کلہاڑی	۔	گوٹھ بچل مگسی، میروخان، قمبر۔ سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
یکم جولائی	ہادی بخش ناریجو	مرد	۔	شادی شدہ	رشتہ دار	۔	۔	کچہ، فیض بنڈو، خیرپور میرس۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
یکم جولائی	گلزاراں ناریجو	خاتون	۔	شادی شدہ	رشتہ دار	۔	۔	کچہ، فیض بنڈو، خیرپور میرس۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
02 جولائی	سہنی ڈاہانی	خاتون	۔	شادی شدہ	ظفراللہ ڈاہانی	بندوق	خاوند	گوٹھ بلند ڈاہانی، گڑھی خیرو، جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
02 جولائی	بجار سنانی	مرد	۔	۔	ظفراللہ ڈاہانی	بندوق	۔	گوٹھ بلند ڈاہانی، گڑھی خیرو، جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
02 جولائی	سلیم جتوئی	مرد	18 برس	۔	شیرل جتوئی	بندوق	رشتے دار	گوٹھ پیڑا، رتو دیرو، لاڑکانہ۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
02 جولائی	دربی بی جکھرانی	خاتون	25 برس	شادی شدہ	محمد علی جکھرانی	بندوق	خاوند	گوٹھ علی نواز جکھرانی، جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
02 جولائی	عزیز گل جکھرانی	مرد	۔	۔	محمد علی جکھرانی	بندوق	رشتے دار	گوٹھ علی نواز جکھرانی، جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
06 جولائی	سعیدہ پتافی	خاتون	۔	شادی شدہ	رجب پتافی	گلا گھونٹ کر	خاوند	گوٹھ بہادر پتافی، یارولنڈ، میرپور ماتھیلو، گھوٹکی	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
07 جولائی	کشمیراں جاگیرانی	خاتون	۔	شادی شدہ	ہادی بخش جاگیرانی	بندوق	خاوند	سومر جاگیرانی، نوشپور، کشمور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
09 جولائی	دادی جتوئی	خاتون	۔	شادی شدہ	محمد یعقوب جتوئی	بندوق	خاوند	گوٹھ بڈو، بچل بھیو، چک لکھی، شکارپور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
11 جولائی	فرزانہ خاصخیلی	خاتون	۔	شادی شدہ	غلام نبی خاصخیلی	زہر خورانی	خاوند	نزد سجاول جونیجو، قمبر۔ سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
11 جولائی	ارشاد احمد جکھرانی	مرد	25 برس	۔	یار محمد جکھرانی	بندوق	رشتے دار	RD238، تنگوانی، کشمور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
13 جولائی	زیبو جکھرانی	خاتون	25 برس	شادی شدہ	عطا محمد جکھرانی	بندوق	خاوند	نیوواہ، جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
13 جولائی	عزیزاں جمالی	خاتون	۔	شادی شدہ	فیاض جمالی	بندوق	خاوند	گلزار کالونی دادو۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
17 جولائی	کالو لاڑ	مرد	۔	۔	صلاح الدین ڈومکی	بندوق	۔	بخشاپور، کشمور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
21 جولائی	روبینہ برڑو	خاتون	25 برس	شادی شدہ	شہزاد و برڑو	بندوق	خاوند	قبرستان محلہ ٹھل، جیکب آباد۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
22 جولائی	زینت دمیو	خاتون	۔	۔	انور علی دمیو اور ساتھی	زہر خورانی	۔	گوٹھ صالح دمیو، چک لکھی، شکارپور۔ سندھ	۔	۔	۔	روزنامہ کاوش
22 جولائی	صحت خاتوں	خاتون	۔	۔	۔	بندوق	بھائی	گھیہلپور، کشمور۔ سندھ	۔	۔	۔	روزنامہ کاوش
23 جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	حضور بخش کھوسو	بندوق	سسر	بی ایس فیڈر 82 RD، کشمور۔ سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
23 جولائی	رخسانہ سومرو	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	شبیر چولیانی	بندوق	منگیتر	وگن، قمبر۔ سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش

بچے

بچوں پر تشدد کرنے کے خلاف درخواست

حیدرآباد 4 جولائی کو بی سیکشن تھانے کی پولیس نے بیوہ خاتون کی جانب سے بچوں پر تشدد اور ہراساں کرنے کے خلاف درخواست پر مقدمہ درج کر کے ایک سیاسی جماعت کے سابق رہنما کو گرفتار کر کے جیل بھجوادیا ہے۔ بی سیکشن تھانے میں لطیف آباد نمبر 10 بسم اللہ سٹی کی رہائشی بیوہ خاتون بلقیس کی جانب سے مقدمہ درج کرایا گیا تھا کہ گاڑی سے پٹرول چوری کے تنازعہ پر علاقہ کے رہائشی وسیم خاور نامی شخص نے اس کے گھر میں گھس کر اس کے بچوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور دھمکیاں دی ہیں اور ہراساں کر رہا ہے۔ بی سیکشن پولیس نے خاتون کی مدعیت میں مقدمہ درج کر کے گزشتہ دنوں ایک سیاسی جماعت کے سابق رہنماء وسیم خاور کو گرفتار کرلیا تھا بعدازاں سول جج وجوڈیشل مجسٹریٹ نمبر 5 نے وسیم خاور کو جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا ہے۔

(لالہ عبدالحلیم)

پانی کی بیماریوں سے فی منٹ میں ایک بچہ ہلاک

واشنگٹن بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں پانی سے متعلق بیماریوں کے باعث ہر ایک منٹ میں ایک بچہ ہلاک ہوجاتا ہے۔ آئی ایم ایف کے 3 اراکین کی جانب سے مرتب کی جانے والی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا بھر میں انسانوں کو پانی کے حصول میں مشکلات کا سامنا ہے۔ فنانس اینڈ ڈیولپمنٹ میگزین میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق عالمی طور پر ایک اعشاریہ 2 ارب لوگ یا ہر 6 میں سے ایک فرد ایسے علاقے میں رہائش پذیر ہے جہاں اسے پانی کے حصول میں مشکلات کا سامنا ہے۔ پاکستان میں زراعت کا بیشتر حصہ ٹیکس ادا نہیں کرتا جبکہ یہ شعبہ ملک کے جی ڈی پی کا 20 فیصد حصہ پیدا کرتا ہے اور اس شعبے سے ملک کی 40 فیصد آبادی منسلک ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان میں زراعت پر ٹیکس پانی کے استعمال کی بجائے زمین کے رقبے کے حوالے سے عائد کیا جاتا ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ یہاں مزید بہتر ٹیکنالوجی کا استعمال کیا جائے تاکہ فصلوں کے لیے پانی کم سے کم استعمال ہو۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

جنسی تشدد کرنے والا مجرم گرفتار

لاہور پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں مبینہ طور پر ایک 'عادی مجرم' نے پولیس حراست میں تفتیش کے دوران 15 کم سن لڑکیوں کے ساتھ جنسی زیادتی کا اعتراف کیا ہے۔ کرائم انویسٹی گیشن ایجنسی (سی آئی اے) کے سپرنٹنڈنٹ پولیس (ایس پی) عمر ورک نے قلعہ گجر سنگھ انویسٹی گیشن ہیڈ کوارٹر میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا ہے کہ لاہور کے علاقے معصوم گنج کی رہائشی 11 سالہ 'س' نامی لڑکی کے اغوا اور ریپ کے واقعے کے بعد ہارون نامی ایک شخص کو مینار پاکستان سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ایس پی کے مطابق بچی 23 اپریل کو لاپتہ ہوئی تھی اور اگلے روز گھر واپس آ گئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ لوئر مال پولیس نے بچی کے اغوا اور ریپ کا مقدمہ نامعلوم شخص کے خلاف درج کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ کیپٹل سٹی پولیس افسر امین کی ہدایت پر مذکورہ مقدمہ کی تفتیش کے لیے سی آئی اے پولیس کی ایک خصوصی ٹیم کو مقرر کیا گیا۔ پولیس افسر کا کہنا تھا کہ ڈی این اے اور فرانزک ٹیسٹ رپورٹس میں ہارون کی جانب سے مذکورہ بچی کو زیادتی کا نشانہ بنانے کی تصدیق ہوگئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ دوران تفتیش ملزم نے پولیس کو بتایا ہے کہ وہ لڑکیوں کے ریپ کرنے کا عادی مجرم ہے اور ان کو راغب کر کے بیگم کورٹ کی ویران جگہ لے جاتا تھا۔ پولیس افسر کا کہنا تھا کہ ڈی این اے اور فرانسک رپورٹس کے مطابق ملزم شہر میں مختلف علاقوں لوئر مال، فیکٹری ایریا، کاہنہ اور نواں کوٹ میں لڑکیوں کے ریپ میں ملوث ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

بچوں کے حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں

سانگھڑ 15 دنوں کے اندر سانگھڑ میں 5 واقعات رپورٹ ہوئے جن میں 3 بچوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا اور ایک بچے کو قتل کیا گیا اور ایک بچی کی چھوٹی عمر میں شادی کی کوشش کی گئی جسے پولیس نے ناکام بنادیا۔ 19 جون کو مقامی سندھی اخبار میں خبر شائع ہوئی کہ سانگھڑ کی تحصیل جام نواز علی میں چار بندوں صدام، حسنین، ریاض اور ایک نامعلوم ملزم نے 12 سالہ بچے منیر تھیم کو اسکول کی خالی عمارت میں جنسی تشدد کا نشانہ بنایا، جسے بعد میں بیہوشی کی حالت میں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ باپ کی فریاد پر پولیس نے چھاپا تو مارا مگر ملزم فرار ہوگئے تھے۔ مگر دو دن بعد مقامی وڈیرے کے کہنے پر متاثرہ بچے کے باپ نے دباؤ میں آ کر ملزم سے صلح کرلی۔ اسی طرح 17 جون کو سانگھڑ کے ایک نواحی علاقے جھول میں ایک آٹھ سالہ بچے عبداللہ کو دو افراد یاسر راجپوت اور بلاول کھرل نے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا اور بیہوشی کی حالت میں بچے کو چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ جنسی تشدد کا نشانہ بنانے والوں کی عمریں بھی 12 سے 16 سال تھیں اور وہ نابالغ تھے۔ پولیس نے این سی درج کر کے ملزمان کو گرفتار کرلیا۔ 15 جون کو سانگھڑ کی قلوبلو کالونی میں ایک دس سالہ بچے رئیس احمد انصاری کو 4 افراد نے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا اور فرار ہوگئے۔ مگر بچے کے والدین نے ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کروانے سے انکار کردیا اور کہا کہ اس طرح اُن کی مزید بدنامی ہوگی۔ یہاں بھی ایک بات قابل غور ہے کہ جنسی تشدد کرنے والوں کی عمریں 12 سے 16 سال تھیں اور وہ نابالغ تھے۔ مگر اس کیس کا بھی مقدمہ درج نہیں کرایا گیا۔ 9 جون کو ایک اور واقعے میں پولیس نے سانگھڑ کے ایک نواحی علاقے چوٹیاریوں میں ایک نو سالہ بچی شہناز کی شادی کی کوشش ناکام بنادی اور دولہے سمیت بچی کے والد اور نکاح خواں کو گرفتار کرلیا۔ جب بچی نے والدین کے دباؤ میں آ کر مجسٹریٹ کو بتایا کہ اُس کی شادی کسی سے نہیں ہو رہی تھی تو عدالت نے بچی کو والدین کے ساتھ گھر بھیج دیا جب کہ نکاح خواہ اور دولہے کو بھی رہا کردیا۔

(ہدایت اللہ لغاری)

تعلیمی سہولیات کے بغیر سکول

کرم ایجنسی کرم ایجنسی کے گاؤں علیشاری نٹے کلے میں 1990ء کو مسجد پرائمری سکول قائم کیا گیا تھا۔ جو تا حال اس حیثیت سے برقرار ہے یہ سکول دو کچے کمروں پر مشتمل ہے جس میں چوتھی جماعت تک بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ اور ان دو کمروں سے بیک وقت سٹور، دفتر اور پڑھائی کا کام لیا جاتا ہے۔ مقامی لوگوں نے حکام سے مطالبہ کیا کہ اس سکول کو پرائمری سکول کا درجہ دیکر تمام سہولیات فراہم کی جائیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ حالیہ سیکورٹی خدشات کے پیش نظر اگر اس سکول کیلئے عمارت کا بندوبست نہیں کیا جاسکتا تو کم از کم چاردیواری کا بندوبست کیا جائے۔ جبکہ بچوں نے کہا کہ ان کو کھلے آسمان تلے سخت دھوپ میں پڑھنا پڑھتا ہے جبکہ بارشوں اور سردیوں میں تند و تیز ہواؤں کی وجہ سے ان کی پڑھائی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اس سکول کے چاروں طرف کئی دیہات واقع ہیں اور اس میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد 128 بتائی جاتی ہے۔

(نامہ نگار)

اجتماعی جنسی تشدد کے الزام پر پولیس افسر گرفتار

سرگودھا سرگودھا میں پولیس نے 28 جولائی کو سلانوالی پولیس اسٹیشن کے ایک ایس ایچ او اور ان کے دیگر ساتھی اہلکاروں کو ایک خاتون اسٹیج ڈانسر سے لوٹ مار اور اس کو اجتماعی جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ گینگ ریپ کا شکار ہونے والی متاثرہ اسٹیج ڈانسر کے مطابق یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب وہ بابا نور شاہ کے مزار پر ایک میلے میں پرفارم کر رہیں تھیں۔ ان کے بقول ملزمان نے میلے کے دوران انہیں اغوا کیا اور ایک لاکھ 50 ہزار روپے چھیننے کے بعد انہیں زیادتی کا نشانہ بنایا۔ واقعہ کے بعد متاثرہ خاتون نے فوری طور پر ضلعی پولیس افسر ساجد مانی سے رابطہ کیا، جنہوں نے ابتدائی تفتیش کے بعد 6 اہلکاروں کے خلاف پاکستان پینل کوڈ کے تحت مقدمہ درج کرلیا اور شاہ نکدر کے ایس ایچ او نجیب اللہ کو ملزمان کا ساتھ دینے پر عہدے سے برطرف کر دیا۔ مذکورہ خاتون نے ابتدائی تفتیش میں یہ بھی بتایا کہ ملزم ایس ایچ او نے انہیں اس شرط پر جانے کی اجازت دی کہ وہ پولیس سے کسی قسم کا رابطہ نہ کریں۔ انہوں نے الزام لگایا کہ شاہ نکدر کے ایس ایچ او نے اپنے ساتھیوں کے خلاف کارروائی کرنے سے گریز کیا۔ واضح رہے کہ قانون کے مطابق پولیس اہلکاروں نے اگر کوئی جرم کیا ہے تو وہ اسلامی حدود آرڈیننس کے تحت سزا یافتہ ہیں، لیکن یہ کیس پاکستان پینل کوڈ کے تحت درج کیا گیا۔ گینگ ریپ کا شکار خاتون نے وزیراعلیٰ پنجاب سے تحفظ فراہم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

پولیس مقابلے کی ہلاکتوں میں 64 فیصد اضافہ

کراچی کراچی شہر میں پولیس مقابلوں میں ہونے والی ہلاکتوں میں موجودہ سال کے ابتدائی چھ مہینوں کے دوران 64 فیصد سے زیادہ کا اضافہ دیکھا گیا ہے۔ جاری ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق جب پچھلے سال کی اسی مدت کے دوران پولیس مقابلوں میں ہلاکتوں کا موازنہ کیا گیا تو ان ہلاکتوں میں 64 فیصد اضافہ ظاہر ہوا۔ 2014ء اور 2015ء کے ابتدائی چھ مہینوں کا یہ موازنہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی جانب سے تیار کی گئی رپورٹ میں پیش کیا گیا ہے۔ رپورٹ کا کہنا ہے کہ 2014ء کے ابتدائی چھ مہینوں کے دوران پولیس مقابلوں میں ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد 191 تھی، جبکہ 2015ء کی اسی مدت کے دوران پولیس مقابلوں میں ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد 255 تک جا پہنچی ہے۔ تاہم اس رپورٹ کا یہ بھی کہنا ہے کہ شہر میں پچھلے سال کے ابتدائی چھ مہینوں میں ہونے والی ہلاکتوں کی مجموعی تعداد ایک ہزار 558 تھی جبکہ اس سال اسی مدت کے دوران ہلاکتوں کی مجموعی تعداد ایک ہزار چالیس رہی، یوں کراچی میں مجموعی ہلاکتوں میں 34 فیصد تک کمی آئی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق غیر سیاسی لوگوں کی ٹارگٹ کلنگ میں بھی کافی کمی آئی ہے۔ گزشتہ سال 403 غیر سیاسی لوگوں کو قتل کیا گیا، جبکہ موجودہ سال کے دوران اس طرح کے لوگوں کی ہلاکتوں کی تعداد 128 رہی۔ یوں ان ہلاکتوں میں 68 فیصد تک کمی سامنے آئی ہے۔ رپورٹ کا کہنا ہے کہ گزشتہ سال 79 سیاسی کارکنوں کو قتل کیا گیا، جبکہ موجودہ سال میں ان ہلاکتوں کی تعداد 33 رہی، اس طرح گزشتہ سال کی ہلاکتوں کے مقابلے میں یہ تعداد 58 فیصد تک کم رہی۔ کراچی میں لاشیں ملنے کی تعداد میں بھی 46 فیصد کمی دیکھنے میں آئی۔ گزشتہ سال 201 لوگوں کو مار کر پھینک دیا گیا تھا، جبکہ اس سال کے دوران 109 لاشیں ملیں۔ رپورٹ کا کہنا ہے کہ گزشتہ سال 75 پولیس اہلکاروں کو ہلاک کیا گیا، جبکہ موجودہ سال کے دوران 52 پولیس اہلکار ہلاک ہوئے۔ اسی طرح گزشتہ سال آٹھ فوجی سپاہی یا پیرا ملٹری فورس کے اہلکار ہلاک ہوئے، جبکہ اس سال اسی مدت کے دوران چار ایسی ہلاکتیں ہوئیں۔ اس رپورٹ سے ظاہر ہوا ہے کہ گزشتہ سال کے مقابلے میں اس سال خواتین اور بچوں کے خلاف جرائم میں بھی کمی آئی ہے۔ گزشتہ سال 13 بچے بم دھماکوں میں ہلاک ہوئے تھے، جبکہ اس سال اس طرح کے واقعات میں تین بچوں کی ہلاکتیں ہوئیں۔ اسی طرح نامعلوم سمت سے آنے والی گولی سے ہلاک ہونے بچوں کی تعداد گزشتہ سال 13 تھی، جبکہ اس طرح کے واقعات میں ہلاک ہونے والے بچوں کی تعداد اس سال کے دوران تین رہی۔ اس رپورٹ سے ظاہر ہوا ہے کہ گزشتہ سال بچوں کی ہلاکتوں کی کل تعداد 55 تھی، جبکہ اس سال کے دوران یہ ہلاکتیں 18 رہیں، یوں اس تعداد میں 67 فیصد تک کی کمی آئی۔ اسی طرح گزشتہ سال کے مقابلے میں اس سال خواتین کی ہلاکتوں میں 50 فیصد تک کی کمی دیکھنے میں آئی۔ گزشتہ سال 97 خواتین جبکہ اس سال کے دوران 48 خواتین ہلاک ہوئیں۔ اس رپورٹ کا کہنا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں قتل ہونے والی خواتین کی تعداد گزشتہ سال 33 تھی، جبکہ موجودہ سال کے دوران یہ تعداد کم ہوکر 17 رہ گئی، یوں اس حوالے سے 48 فیصد کی کمی واقع ہوئی۔ اسی طرح نامعلوم افراد کے ہاتھوں ہلاک ہونے والی خواتین کی تعداد گزشتہ سال 37 جبکہ اس سال 25 تھی۔ یوں اس طرز کے قتل میں بھی 32 فیصد کی کمی دیکھنے میں آئی۔ رپورٹ کا کہنا ہے کہ نامعلوم گولیوں سے ہلاک ہونے والے مردوں کی تعداد گزشتہ سال 21 تھی جبکہ اس سال 14 رہی، یوں ایسی ہلاکتوں کی تعداد میں 33 فیصد کمی آئی ہے۔ ریلوے کی پٹری پر ٹرین کی زد میں آکر ہلاک ہونے والے مردوں کی تعداد گزشتہ سال کے مقابلہ میں اس سال 125 فیصد کا اضافہ دیکھا گیا۔ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹرین کی زد میں آکر ہلاک ہونے والے مردوں کی تعداد گزشتہ سال 8 تھی، جبکہ اس سال یہ تعداد 18 رہی۔ اس رپورٹ کے مطابق زہریلی شراب پینے یا منشیات کی زیادہ مقدار لینے سے ہونے والی اموات میں 43 فیصد تک کا اضافہ دیکھا گیا۔ رپورٹ میں دیے گئے اعداد و شمار سے ظاہر ہوا ہے کہ گزشتہ سال زہریلی شراب پینے یا منشیات کی زیادہ مقدار لینے سے 16 مرد ہلاک ہوئے تھے، جبکہ موجودہ سال کے دوران اس طرح کی اموات کی تعداد 23 تھی۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ)

بارودی سرنگ پھٹنے سے تین سکیورٹی اہلکار جاں بحق

شمالی وزیرستان شمالی وزیرستان دتہ خیل میں دو بارودی سرنگیں پھٹنے سے تین سکیورٹی اہلکار جاں بحق اور 6 زخمی ہوگئے۔ سکیورٹی فورسز پر 2 بارودی سرنگ دھماکوں سے حملہ، 3 سکیورٹی اہلکار شہید جبکہ 6 زخمی ہوگئے۔ جوابی کاروائی میں 12 شدت پسند مارے گئے۔ شمالی وزیرستان کی تحصیل دتہ خیل کے علاقہ رازکائی کلے میں سکیورٹی فورسز کی طرف سے جاری آپریشن ضرب عضب کے دوران فوج پیش قدمی کر رہی تھی کہ نامعلوم شدت پسندوں کی طرف سے پہلے سے نصب 2 بارودی سرنگیں زوردار دھماکوں سے پھٹ گئی جس کے نتیجے میں سپاہی سعید الرحمٰن، سپاہی محمد سلیم ڈار اور آپریٹر فضل امین شہید ہوگئے۔ جبکہ 6 جوان زخمی ہوگئے جس پر سکیورٹی فورسز نے فوری طور پر علاقے کا محاصرہ کر کے سرچ آپریشن شروع کر دیا۔ اور اسی دوران شدت پسندوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا جس میں 12 مبینہ شدت پسند مارے گئے۔ دھماکوں میں جاں بحق اور زخمی ہونے والے جوانوں کو فوری طور پر سی ایم ایچ بنوں منتقل کر دیا گیا جہاں زخمیوں کی حالت خطرے سے باہر بتائی گئی ہے۔

(نامہ نگار)

خودکشی کے واقعات

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہدحق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی گئی رپورٹوں کے مطابق **26** جون سے **25** جولائی تک کے دوران ملک بھر میں **161** افراد نے خودکشی کر لی۔ خودکشی کرنے والوں میں **55** خواتین شامل تھیں۔ اسی عرصہ کے دوران **61** افراد نے خودکشی کرنے کی کوشش کی جنھیں بروقت طبی امداد دے کر بچا لیا گیا۔ اقدام خودکشی کرنے والوں میں **30** خواتین شامل ہیں۔ اعداد وشمار کے مطابق خودکشی کرنے والوں میں **89** افراد نے گھریلو جھگڑوں ومسائل سے تنگ آ کر اور **19** نے معاشی تنگدستی سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی۔ خودکشی کے واقعات میں **53** نے زہر کھا/پی کر، **42** نے خود کو گولی مار کر اور **31** نے گلے میں پھندا ڈال کر جان دے دی۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے **222** واقعات میں سے صرف **24** واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
26 جون	اختیار خاتوں خاصخیلی	خاتون	17 برس	غیر شادی شدہ	ذہنی معذوری	خود کو گولی مار کر	برکت شاہ محلّہ قمبر۔ سندھ	-	روزنامہ کاوش
26 جون	سجاد حسین	مرد	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	چک 126 ڈبلیو بی، گڑھا موڑ، رحیم یار خان	درج	روزنامہ جنگ
26 جون	رضیہ	خاتون	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	سنجر پور، رحیم یار خان	-	روزنامہ جنگ
26 جون	ثناء	خاتون	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	غوثیہ کالونی، رحیم یار خان	-	روزنامہ جنگ
26 جون	بشارت	مرد	-	شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	لیاقت آباد، لاہور	-	خبریں
26 جون	عثمان	مرد	40 برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	گلا کاٹ کر	شالی چھاؤنی، لاہور	-	نوائے وقت
26 جون	زینب	خاتون	-	-	-	زہر خورانی	نواں لاہور، فیصل آباد	-	نوائے وقت
26 جون	عبداللہ	مرد	-	-	-	زہر خورانی	چک 58 ج ب، فیصل آباد	-	نوائے وقت
26 جون	احسان	مرد	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہر خورانی	124 شمالی، سرگودھا	-	جنگ
26 جون	-	خاتون	18 برس	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہوے پر	خود کو گولی مار کر	امین آباد، رحیم یار خان	-	ایکسپریس ٹربیون
26 جون	-	خاتون	28 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	رحیم یار خان	-	ایکسپریس ٹربیون
26 جون	-	خاتون	50 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 92 پی، رحیم یار خان	-	ایکسپریس ٹربیون
26 جون	شہزاد عباس	مرد	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	چار باغ، جنگل خیل، کوہاٹ	درج	روزنامہ ایکسپریس
26 جون	احسان اللہ	مرد	18 برس	غیر شادی شدہ	-	پھندا لے کر	خٹک کالونی، بنوں روڈ، کوہاٹ	درج	ایکسپریس
27 جون	نازیہ بی بی	خاتون	20 برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گاؤں کوکلیاں، ہری پور	-	ایکسپریس ٹربیون
27 جون	احمد شاہ	مرد	18 برس	غیر شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	گاؤں دوغانی، اوگی، مانسہرہ	-	ایکسپریس ٹربیون
28 جون	حنیف	مرد	35 برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	باغبانپورہ، لاہور	-	ایکسپریس
28 جون	محمد عتیق	مرد	25 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	کوٹ رادھا کشن، قصور	-	جنگ
28 جون	عمر گل	مرد	-	-	-	خود کو گولی مار کر	سنگیلا، ڈیرہ بگٹی	-	جنگ
28 جون	شاہ خالد	مرد	-	-	-	خود کو گولی مار کر	نصیر کلی، مردان	درج	روزنامہ آج
29 جون	ذبین اللہ	مرد	15 برس	شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	ریگی للمہ ناصر باغ، پشاور	درج	روزنامہ ایکسپریس
29 جون	پیر اسد علی	مرد	25 برس	-	ذہنی معذوری	چھت سے کود کر	گلبہار کالونی تخت بھائی، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
30 جون	طاہرہ بی بی	خاتون	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	ہسپتال چوک، خیر پور سادات	-	روزنامہ جنگ
30 جون	رانی	خاتون	18 برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	بٹی ارائیں علی پور	-	روزنامہ خبریں
30 جون	کبیر حسین	مرد	18 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	جلالپور جٹاں، گجرات	-	نئی بات
30 جون	محمد علی	مرد	-	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	موہنی روڈ، لاہور	-	دنیا
30 جون	عظیم	مرد	-	20 برس غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	چک 105 گ ب، جڑانوالہ	-	دنیا
30 جون	ثریا بی بی	خاتون	18 برس	غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	چک 186 رب، چک جھمرہ	-	دنیا
30 جون	افتخار	مرد	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	چک مظفر شاہ، ساہیوال	-	روزنامہ جنگ
30 جون	طلحہ	مرد	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	بٹالہ کالونی، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
30 جون	فرزانہ	خاتون	17 برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	کپاہی، مینکرہ	-	روزنامہ جنگ
یکم جولائی	غلام علی	مرد	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	مکی ٹاؤن، چنیوٹ	-	روزنامہ نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
یکم جولائی	ممتاز	مرد	30برس	۔	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	28/4ایل،اوکاڑہ	۔	روزنامہ جنگ
یکم جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	رتووال،کھٹیالہ شیخاں	۔	روزنامہ جنگ
یکم جولائی	امتیاز	مرد	24برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	گاؤں 42ڈی،اوکاڑہ	۔	روزنامہ دنیا
یکم جولائی	وسیم بھٹی	مرد	14برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بھٹی محلہ میروخان،قمبر۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
یکم جولائی	اعجازمشوری	مرد		۔	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	سکھر۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
یکم جولائی	امداد	مرد	20برس	۔	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	چیڑکو پھاٹک کندھ کوٹ،کشمور	۔	روزنامہ کاوش
02جولائی	گلاب سولنگی	مرد		شادی شدہ	بےروزگاری سے دلبرداشتہ	نہر میں کودکر	کاہوڑا اسٹیشن،نوشہروفیروز۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
02جولائی	امدادعلی بھنگوار	مرد	22برس	۔	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ غوث بخش بھنگوار،بخشاپور،کشمور	۔	روزنامہ کاوش
2جولائی	ن	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	سکنہ ڈوڈھیر،زیدہ صوابی	درج	روزنامہ ایکسپریس
3جولائی	عنبرین	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قصبہ 11/4ایل،اوکاڑہ	۔	جنگ
3جولائی	ریاض	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	موضع نتھیاں،فتح جنگ	۔	دنیا
3جولائی	مہرین	خاتون	23برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	سچن،کراچی	۔	دنیا
3جولائی	عظمت علی	مرد	۔	۔	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	پھندالے کر	موضع باٹھ،مانگامنڈی	۔	دنیا
3جولائی	مشتاق	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	بڈھے،چکیکی	۔	نوائے وقت
3جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	صوابی	درج	ایکسپریس ٹربیون
3جولائی	محمد عامر	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پنوپلاٹ،گوجرہ	۔	جنگ
3جولائی	ذاکرعباس	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	منڈی شاہ جیونہ	۔	جنگ
3جولائی	۔	خاتون	40برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	موضع رتووال،پھالیہ	۔	جنگ
4جولائی	محمود	مرد	۔	۔	بھائی کی موت پردلبرداشتہ	پھندالے کر	قصبہ مروکے،اوکاڑہ	۔	نئی بات
4جولائی	قمرعباس	مرد	۔	غیرشادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	زہرخورانی	دھیروالی،سرگودھا	۔	نئی بات
5جولائی	عبداللہ	مرد	20برس	غیرشادی شدہ	عید کے لیے پیسے نہ ہونے پر	زہرخورانی	چک 58ج ب،سرگودھا	۔	جنگ
5جولائی	آصف	مرد	26برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلّہ حبیب پورہ،کامونکی	۔	نوائے وقت
5جولائی	ابرارشاہ	مرد	۔	غیرشادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	نہر میں کودکر	میانوالی	۔	نوائے وقت
5جولائی	افتخار	مرد	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	حافظ آباد	۔	خبریں
6جولائی	کشور بی بی	خاتون	29برس	غیرشادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	سنہری ٹاؤن،فیصل آباد	۔	جنگ
6جولائی	محمد پرویز	مرد	۔	۔	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	۔	گاؤں کرتار پور،ظفروال	۔	جنگ
6جولائی	ساجد	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	۔	گاؤں مانگٹ نیچا،حافظ آباد	۔	جنگ
6جولائی	محمد یوسف	مرد	۔	غیرشادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکوجلا کر	محلّہ شریف پورہ،کامونکی	۔	خبریں
06جولائی	حبیب اللہ چاچڑ	مرد	30برس	۔	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	کچہ،پنوعاقل،سکھر۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
06جولائی	رفیق برڑو	مرد	16برس	۔	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ سادلو،روہڑی،سکھر۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
06جولائی	ماجدشر	مرد	17برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فریدآباد،سیٹھارجہ،خیرپورمیرس	۔	روزنامہ کاوش
6جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نارنگ منڈی	۔	نئی بات
6جولائی	سمیرا	خاتون	22برس	غیرشادی شدہ	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	پھندالے کر	شادباغ،لاہور	۔	نئی بات
7جولائی	کوثر بی بی	خاتون	27برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	25جنوبی،سرگودھا	۔	دنیا
7جولائی	محمدافضل	مرد	28برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سرگودھا	۔	نئی بات
8جولائی	لیاقت علی	مرد	۔	شادی شدہ	۔	نہر میں کودکر	ننکانہ صاحب	۔	جنگ
8جولائی	سفیان	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	ٹرین تلے آ کر	بوڑھے والا،نارووال	۔	جنگ
8جولائی	ناصر	مرد	۔	۔	۔	پھندالے کر	43/3آر،اوکاڑہ	۔	جنگ
8جولائی	عمران یوسف	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گجو چک،گوجرانوالا	۔	ایکسپریس ٹربیون

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
8جولائی	آمنہ	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	مدینہ کالونی، لاہور	۔	نوائے وقت
8جولائی	ص	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	زہرخورانی	فیروزوالا	۔	نوائے وقت
9جولائی	عاصمہ بی بی	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	تھوتھیاں کلاں، شیخوپورہ	۔	روزنامہ نئی بات
9جولائی	نوید	مرد	22برس	غیرشادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	کوٹ سائی سنگھ، جھنگ	۔	ایکسپریس ٹریبون
9جولائی	عبدالشکور	مرد	27برس	۔	۔	زہرخورانی	سرائے عالمگیر	۔	روزنامہ جنگ
09جولائی	امام ڈنو چانڈیو	مرد	16برس	۔	گھریلوجھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ کریم ڈنو چانڈیو، قمبر۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
09جولائی	لال خاتون چانڈیو	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	پھندالے کر	سنجر بھٹی، شہدادکوٹ، قمبر۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
10جولائی	۔	مرد	۔	۔	بھوک سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندالے کر	اسلام کوٹ، تھر، سندھ	۔	روزنامہ ایکسپریس
10جولائی	۔	مرد	۔	۔	بھوک سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندالے کر	اسلام کوٹ، تھر، سندھ	۔	روزنامہ ایکسپریس
10جولائی	زاہد	مرد	16برس	غیرشادی شدہ	عید کے کپڑے نہ ملنے پر	زہرخورانی	گاؤں مصری میانی، گوجرانوالا	۔	روزنامہ ایکسپریس
10جولائی	عمر	مرد	۔	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	محلّہ قادرآباد، ماناوالا	۔	روزنامہ ایکسپریس
10جولائی	عادل	مرد	28برس	۔	۔	خودکوگولی مارکر	دھوپ سڑی، چونیاں	۔	روزنامہ جنگ
10جولائی	نثاراحمد	مرد	23برس	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	خودکوگولی مارکر	جوہرآباد، سرگودھا	۔	روزنامہ جنگ
10جولائی	ممتازبی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	سبزہ زار، لاہور	۔	روزنامہ جنگ
10جولائی	صفی اللہ خاصخیلی	مرد	18برس	۔	بے روزگاری سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکوگولی مارکر	گوٹھ جمال، کوٹ ڈیجی، خیرپورمیرس	۔	روزنامہ کاوش
11جولائی	صائمہ بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	خودکوگولی مارکر	ڈی آئی خان	۔	راولپنڈی نیوز
11جولائی	زاربی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	پھندالے کر	ڈیرہ اسماعیل خان	۔	راولپنڈی نیوز
11جولائی	بشیراحمد	مرد	۔	شادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	ڈیرہ اسماعیل خان	۔	راولپنڈی نیوز
11جولائی	شاہ نواز خان	مرد	۔	غیرشادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	تحصیل خویزئی، مہمند ایجنسی	درج	روزنامہ آج
11جولائی	سیدعلی شاہ	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	جھوک رب نواز بچان، ڈی آئی خان	درج	ایکسپریس
11جولائی	بشیرا	مرد	۔	۔	۔	خودکوگولی مارکر	جھوک رب نواز بچان، ڈی آئی خان	درج	ایکسپریس
12جولائی	نبیلہ	خاتون	20برس	۔	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	گاؤں جھلک، قصور	۔	روزنامہ خبریں
12جولائی	ساجد	مرد	۔	غیرشادی شدہ	۔	پھندالے کر	گاؤں مومن، صفدرآباد	۔	روزنامہ جنگ
12جولائی	مصطفیٰ	مرد	22برس	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	قصبہ شیخانی، روکھڑی	۔	روزنامہ جنگ
12جولائی	شہزاد	مرد	55برس	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	ٹرین تلے آکر	شکیل پارک، فیصل آباد	۔	روزنامہ جنگ
13جولائی	آسیہ بی بی	خاتون	36برس	شادی شدہ	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	شاہدرہ ٹاؤن، لاہور	۔	روزنامہ خبریں
13جولائی	تاروگنیش	مرد	33برس	۔	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندالے کر	۔	۔	روزنامہ ایکسپریس
13جولائی	صفیہ بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	کھوکھر ٹاؤن، شیخوپورہ	۔	روزنامہ خبریں
13جولائی	عبدالرزاق	مرد	30برس	۔	عید کے کپڑے نہ ملنے پر	خودکوگولی مارکر	چک 131، رب، فیصل آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
13جولائی	معظم	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	گاؤں دوپٹہ عظمت، سلکھیکی	۔	روزنامہ نوائے وقت
13جولائی	مریم	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	شفیق آباد، لاہور	۔	روزنامہ جنگ
13جولائی	شکیل	مرد	۔	غیرشادی شدہ	منگنی ٹوٹنے پر دلبرداشتہ	زہرخورانی	ساہیوال	۔	روزنامہ نئی بات
13جولائی	رام داس باگڑی	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	شادی نہ ہونے پر	خودکوگولی مارکر	گوٹھ واحد بخش، غوثپور، کشمور	۔	روزنامہ کاوش
13جولائی	شاہین مائی	خاتون	28برس	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	پھندالے کر	تھانہ لعل گڑھ، راجن پور	درج	روزنامہ جنگ
14جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	دریامیں کودکر	پھاگل، کاغان	۔	روزنامہ نئی بات
14جولائی	رضیہ	خاتون	۔	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	زہرخورانی	کھوکھر ٹاؤن، شیخوپورہ	۔	دی نیوز
15جولائی	ملازم حسین	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	پھندالے کر	چک 337 ج ب، گوجرہ	۔	دی نیوز
15جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	ہاشم نگر، میرپورخاص	۔	دی نیشن
16جولائی	حفیظاں کھہڑو	خاتون	۔	۔	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	نہرمیں کودکر	گمبٹ، خیرپورمیرس۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
17 جولائی	اشفاق	مرد	30برس	۔	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	شاہدرہ ٹاؤن، لاہور	۔	روزنامہ ایکسپریس
17 جولائی	سونیا	خاتون	50برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کامونکی	۔	روزنامہ جنگ
17 جولائی	۔	مرد	۔	۔	۔	دریامیں کودکر	جوہرآباد	۔	روزنامہ جنگ
17 جولائی	محمدنواز	مرد	13برس	بچہ	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	برج مہرہ، جوہرآباد	۔	روزنامہ جنگ
17 جولائی	رمضان	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	دریامیں کودکر	خوشاب	۔	روزنامہ جنگ
17 جولائی	قاسم	مرد	21برس	۔	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	محلّہ حاجی پور، سکھیکی	۔	روزنامہ نئی بات
18 جولائی	فیاض	مرد	22برس	شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	سکندرآباد، شجاع آباد	۔	روزنامہ ایکسپریس
18 جولائی	ز	خاتون	۔	شادی شدہ	عید کے کپڑے نہ ملنے پر	زہرخورانی	ڈسکہ	۔	روزنامہ جنگ
18 جولائی	۔	مرد	19برس	غیرشادی شدہ	عید کے کپڑے نہ ملنے پر	زہرخورانی	بھٹی کے، دھونکل	۔	روزنامہ جنگ
18 جولائی	محمدعظیم خان	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	نارنگ منڈی	۔	روزنامہ جنگ
18 جولائی	فیاض	مر	22برس	شادی شدہ	عید پر کپڑے نہ ملنے پر	زہرخورانی	بستی جھگڑ سکندرآباد، شجاع آباد	۔	روزنامہ خبریں
18 جولائی	ارشادبی بی	خاتون	18برس	غیرشادی شدہ	عید پر کپڑے نہ ملنے پر	زہرخورانی	ترنڈہ صاحب، رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
21 جولائی	جاوید	مرد	24برس	۔	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	لطف پور، شجاع آباد	۔	روزنامہ خبریں
21 جولائی	شہنازبی بی	خاتون	19برس	۔	گھریلو جھگڑا	دریامیں کودکر	بندے شاہ، علی پور ہیڈ پنجند	درج	روزنامہ خبریں
21 جولائی	مافیابی بی	خاتون	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بلال کالونی، حیدرآباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
21 جولائی	ارم شہزادی	خاتون	21برس	۔	گھریلو جھگڑا	چھت سے کودکر	شفیق آباد، لاہور	۔	روزنامہ نوائے وقت
21 جولائی	غلام حسین	مرد	25برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فیصل آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
21 جولائی	۔	مرد	55برس	۔	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پھندالے کر	نورپورہ، چشتیاں	۔	روزنامہ نوائے وقت
21 جولائی	۔	مرد	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	سمبڑیال	۔	روزنامہ نوائے وقت
21 جولائی	۔	مرد	19برس	غیرشادی شدہ	۔	زہرخورانی	وزیرآباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
21 جولائی	ن	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ڈسکہ	۔	روزنامہ نوائے وقت
21 جولائی	آمنہ	خاتون	18برس	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	پھندالے کر	بھگت پورہ، لاہور	۔	روزنامہ جنگ
21 جولائی	سدرہ	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	پھندالے کر	دیوال، سوہاوہ، جہلم	۔	روزنامہ جنگ
21 جولائی	مشرف	مرد	22برس	غیرشادی شدہ	ذہنی معذوری	نہر میں کودکر	ڈسکہ	۔	روزنامہ جنگ
21 جولائی	ق	خاتون	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 1رکھ، دلے والا	۔	روزنامہ جنگ
22 جولائی	قیصرمحمود	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	۔	کاہی نظام پور، نوشہرہ	۔	روزنامہ نیوز
22 جولائی	عائشہ	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	مدینہ آباد، فیصل آباد	۔	روزنامہ خبریں
22 جولائی	وقار	مرد	18برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	229رب، فیصل آباد	۔	روزنامہ خبریں
22 جولائی	ماریہ	خاتون	20برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سیف آباد، فیصل آباد	۔	روزنامہ خبریں
22 جولائی	غلام رسول	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	غلام محمد آباد، فیصل آباد	۔	روزنامہ خبریں
22 جولائی	سکندر	مرد	۔	غیرشادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	چک 87رب، شاکوٹ	۔	روزنامہ خبریں
22 جولائی	غلام عباس	مرد	22برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ورکھانہ روڈ، فیصل آباد	۔	روزنامہ خبریں
22 جولائی	آصف	مرد	۔	۔	۔	خودکوگولی مارکر	جوہرآباد	۔	روزنامہ نئی بات
22 جولائی	زعیم علی	مرد	۔	۔	۔	زہرخورانی	بھٹی کے، کامونکی	۔	روزنامہ نئی بات
22 جولائی	شاکر	مرد	۔	غیرشادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	بازارکلی رستم، مردان	درج	روزنامہ ایکسپریس
22 جولائی	اعجازاوڈھو	مرد	25برس	۔	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ محمداوڈھو، خیرپورمیرس	۔	روزنامہ کاوش
22 جولائی	پرویزحسین عباسی	مرد	40برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندااڈال کر	مدینہ کالونی لاڑکانہ۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
22 جولائی	شاہ زیب	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	عیدی نہ ملنے پر	پھندالے کر	چک اعظم، رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
22 جولائی	شریف	مرد	65برس	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندالے کر	محلّہ نورپورہ، چشتیاں	۔	روزنامہ خبریں

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
23 جولائی	رابعہ بی بی	خاتون	16برس	غیر شادی شدہ	مالی حالات سے دلبرداشتہ	۔	اقبال آباد، رحیم یار خان	درج	روزنامہ خبریں
23 جولائی	محمد اسد	مرد	۔	۔	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	۔	کچہ صادق آباد روڈ، رحیم یار خان	۔	روزنامہ خبریں
23 جولائی	اویس	مرد	20برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گاؤں سولنگی اعوان، حافظ آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
23 جولائی	شکیل احمد	مرد	5برس	۔	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	چک 120 گ ب، جڑانوالہ	۔	روزنامہ نوائے وقت
23 جولائی	صغراں بی بی	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 649 گ ب، جڑانوالہ	۔	روزنامہ نوائے وقت
23 جولائی	منشاء	مرد	62برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	41 گ ب، تاندلیانوالہ	۔	روزنامہ نوائے وقت
23 جولائی	ن	خاتون	16برس	غیر شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	دریا میں کود کر	موضع ہموکہ، جوہر آباد	۔	روزنامہ نئی بات
24 جولائی	فیصل عباس	مرد	19برس	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	پنڈ دادن خان	۔	روزنامہ جنگ
24 جولائی	محمد بلال	مرد	45برس	غیر شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	لیاقت آباد، لاہور	۔	روزنامہ دنیا
24 جولائی	محمد عامر	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 98/9ایل، ساہیوال	۔	روزنامہ دنیا
25 جولائی	منیر	مرد	40برس	۔	۔	۔	فیصل آباد	۔	روزنامہ نوائے وقت
25 جولائی	ریحانہ	خاتون	۔	۔	۔	۔	کلورکوٹ	۔	روزنامہ نوائے وقت

اقدام خودکشی:

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
27 جون	۔	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	کسٹم چوک پشتخرہ، پشاور	درج	روزنامہ ایکسپریس
27 جون	امتیاز تنیو	مرد	18برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	۔	سجاول جونیجو، قمبر۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
27 جون	صالح حیات	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	پھندا ڈال کر	اورنگ آباد کوہاٹ، صوابی	درج	روزنامہ ایکسپریس
28 جون	محمد حسین	مرد	۔	۔	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	رحیم یار خان	۔	روزنامہ جنگ
29 جون	مختیاراں خاتون	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	۔	ٹھری میرواہ، خیر پور میرس۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
30 جون	انور علی پھلپوٹو	مرد	22برس	۔	بے روزگاری سے دلبرداشتہ	۔	بھانو، خیر پور میرس۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
30 جون	علی شیر مگسی	مرد	۔	شادی شدہ	۔	۔	قمبر۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
30 جون	سلیمہ بی بی	خاتون	15برس	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گاؤں ک ب، پاکپتن	۔	ایکسپریس
30 جون	آصف	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	ہسپتال چوک، خیر پور سادات	۔	روزنامہ جنگ
30 جون	طارق	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	کوٹ سبزل، رحیم یار خان	۔	روزنامہ جنگ
30 جون	انعم	خاتون	۔	۔	۔	زہر خورانی	اکبر روڈ، رحیم یار خان	۔	روزنامہ جنگ
یکم جولائی	عبدالرحمان مگسی	مرد	۔	شادی شدہ	بے روزگاری	خود کو گولی مار کر	گوٹھ راجپر، کنب، خیر پور میرس		روزنامہ کاوش
یکم جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	خود کو جلا کر	چوک نواں، شہر، ملتان	۔	پاکستان ٹائمز
یکم جولائی	۔	خاتون		شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہو کر	زہر خورانی	گڑھی خدا بخش بھٹو، لاڑکانہ	۔	دنیا
یکم جولائی	عامر سجاد	مرد	۔	۔	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	دڑی سانگی، رحیم یار خان	۔	روزنامہ جنگ
2 جولائی	صالح حیات	مرد	۔	۔	زمین کا تنازعہ	خود کو گولی مار کر	اورنگ آباد، صوابی	درج	ایکسپریس ٹربیون
2 جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	صوابی	درج	ایکسپریس ٹربیون
2 جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گاؤں زیدہ، صوابی	درج	روزنامہ آج
3 جولائی	عظمت اللہ	مرد	۔	۔	۔	۔	سنٹر جیل، پشاور	درج	روزنامہ آج
4 جولائی	رانی بی بی	خاتون	30برس	۔	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	روشن والا بائی پاس، فیصل آباد	۔	نئی بات
4 جولائی	نگینہ بی بی	خاتون	20برس	۔	گھریلو جھگڑا	۔	چک 123پی، رحیم یار خان	۔	روزنامہ خبریں
4 جولائی	عابدہ بی بی	خاتون	20برس	۔	۔	زہر خورانی	بدلی شریف، رحیم یار خان	۔	روزنامہ خبریں

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
4جولائی	نسرین	خاتون	30برس	۔	۔	زہرخورانی	نورے والی،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
4جولائی	نسیم	خاتون	24برس	۔	۔	زہرخورانی	صادق آباد	۔	روزنامہ خبریں
4جولائی	سعیداحمد	مرد	18برس	۔	۔	زہرخورانی	پل گری،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
4جولائی	تنویراحمد	مرد	20برس	۔	۔	زہرخورانی	اوباڑو،سندھ	۔	روزنامہ خبریں
06جولائی	شفاعت مرکھنڈ	مرد	17برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	جادووا ہن،گمبٹ،خیرپورمیرس	۔	روزنامہ کاوش
06جولائی	مسرت	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	خودکوگولی مارکر	کشورکورونہ چمکنی،پشاور	درج	روزنامہ آج
06جولائی	عزیزمائی	خاتون	45برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بٹی میراں،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
06جولائی	نورین بی بی	خاتون	25برس	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سردارگڑھ،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
06جولائی	رانی مائی	خاتون	18برس	۔	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	خان پور	۔	روزنامہ خبریں
06جولائی	اقراء بی بی	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	۔	ترنڈہ محمد پناہ	۔	روزنامہ خبریں
06جولائی	ارشد بی بی	خاتون	20برس	۔	۔	۔	خان پور	۔	روزنامہ خبریں
06جولائی	آمنہ بی بی	خاتون	14برس	۔	۔	۔	چک76پی،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
06جولائی	طاہرعلی	مرد	22برس	۔	۔	۔	محلّہ اسلام نگر،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
06جولائی	محمدعمران	مرد	24برس	۔	۔	۔	لیاقت پور	۔	روزنامہ خبریں
9جولائی	اللہ رکھی	خاتون	19برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلّہ شاہ نگر،پاکپتن	۔	ایکسپریس
10جولائی	نادیہ	خاتون	55برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پرچوکی،چونیاں،قصور	۔	خبریں
10جولائی	اسلم	مرد	۔	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	خودکوجلاکر	قصور	۔	خبریں
12جولائی	عقیل	مرد	20برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	تھانہ نشاط آباد،فیصل آباد	۔	نئی بات
14جولائی	نعیم	مرد	۔	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سدار بائی پاس،فیصل آباد	۔	نئی بات
14جولائی	زاہدحسین گاہو	مرد	25برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ حسین بخش،،خیرپورمیرس	۔	روزنامہ کاوش
14جولائی	ابراہیم	مرد	۔	۔	۔	۔	سنٹرل جیل،پشاور	درج	روزنامہ آج
14جولائی	علیم بی بی	خاتون	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نواں کوٹ،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
15جولائی	اسامہ	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	تخت بھائی،مردان	درج	روزنامہ آج
16جولائی	گرداری مل	مرد	۔	شادی شدہ	فاقہ کشی	نہر میں کودکر	خیرپورمیرس۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
16جولائی	شہزاد	مرد	12برس	غیرشادی شدہ	۔	زہرخورانی	بدلی شریف،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
16جولائی	عنبرین	خاتون	18برس	۔	۔	زہرخورانی	ڈڑی عظیم،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
16جولائی	شازیہ	خاتون	25برس	۔	۔	زہرخورانی	نورے والی،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
16جولائی	شمیم بی بی	خاتون	22برس	۔	۔	زہرخورانی	چتی گوٹھ،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
16جولائی	شبانہ	خاتون	۔	۔	۔	زہرخورانی	کوٹلہ پٹھان،رحیم یارخان	۔	روزنامہ خبریں
16جولائی	زاہد	مرد	22برس	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوجلاکر	محلّہ حیدریہ،جلالپور پیروالا	۔	روزنامہ جنگ
21جولائی	ر	خاتون	۔	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کینیڈا کالونی،ننکانہ صاحب	۔	روزنامہ ایکسپریس
21جولائی	طارق میتلو	مرد	۔	۔	بے روزگاری	زہرخورانی	گوٹھ سائیں ڈنومیتلو،پیرجوگوٹھ	۔	روزنامہ کاوش
21جولائی	رحیم بخش باجکانی	مرد	۔	۔	۔	۔	تنگوانی،کندھ کوٹ،کشمور۔سندھ	۔	روزنامہ کاوش
22جولائی	کلثوم خاتون	خاتون	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ گھہرام کھہڑو،خیرپورمیرس		روزنامہ کاوش
22جولائی	علی گوہر	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ بہارو،گمبٹ،خیرپورمیرس		روزنامہ کاوش
22جولائی	خرم	مرد	22برس	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نشاط آباد،فیصل آباد	۔	روزنامہ خبریں
22جولائی	۔	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	عیدی نہ ملنے پر دلبرداشتہ	پھندالے کر	شہدادپور،سندھ	۔	دی نیوز
22جولائی	یاسین	مرد	۔	۔	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ڈسکہ	۔	روزنامہ نوائے وقت
25جولائی	محمدافضال	مرد	22برس	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	ننکانہ صاحب	۔	روزنامہ دنیا

جنسی تشدد کے واقعات:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہد حق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 26 جون سے 11 جولائی تک 41 افراد کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جنسی زیادتی کا شکار ہونے والوں میں 36 خواتین شامل ہیں۔ 20 واقعات کے مقدمات درج کیے گئے اور 2 واقعات میں ملوث افراد گرفتار ہوئے۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
26 جون	مجاہد کٹوہر	مرد	14 برس	غیر شادی شدہ	تنویر، عطاء اللہ ڈیپر	اہل علاقہ	سٹی خیر پور میرس۔ سندھ	درج	۔	روزنامہ کاوش
۔	۔	بچی	8 برس	غیر شادی شدہ	صاحب	اہل علاقہ	قیصر گڑھ، قصور	درج	گرفتار	روزنامہ دنیا
27 جون	الف	خاتون	۔	۔	اکرام	اہل علاقہ	گاؤں 57 ڈی، پاکپتن	۔	۔	روزنامہ ایکسپریس
27 جون	ک	خاتون	۔	۔	رانجھا	اہل علاقہ	گاؤں 160/9 ایل، چیچہ وطنی	درج	۔	روزنامہ ایکسپریس
27 جون	الف	خاتون	۔	شادی شدہ	شاہد نواز، اسامہ	۔	نواب پورہ ہوٹل، بہاولپور	درج	۔	خواجہ اسداللہ
28 جون	ن	بچی	8 برس	غیر شادی شدہ	غفار ماچھی	رشتہ دار	بیٹ انگڑا، کوٹ ادو	درج	۔	روزنامہ جنگ
29 جون	ر	خاتون	۔	۔	امان اللہ سمیجو	اہل علاقہ	مسلم کالونی ڈہرکی۔ گھوٹکی۔ سندھ	۔	۔	روزنامہ کاوش
29 جون	س	خاتون	۔	غیر شادشدہ	اللہ دتہ	اہل علاقہ	سیالکوٹ	درج	۔	روزنامہ ایکسپریس
30 جون	پ	خاتون	۔	۔	شاہ علی، قربان، جہانزیب، لیاقت	اہل علاقہ	کندھ کوٹ، کشمور۔ سندھ	۔	۔	روزنامہ کاوش
30 جون	ص	خاتون	۔	شادی شدہ	آصف	اہل علاقہ	203 ای بی، بورے والا	درج	۔	روزنامہ ایکسپریس
30 جون	ذ	بچی	13 برس	غیر شادی شدہ	عابد، عامر، رجب	اہل علاقہ	بلھے شاہ، ماموں کانجن	درج	۔	روزنامہ خبریں
30 جون	اسد محمود	بچہ	13 برس	غیر شادی شدہ	۔	۔	تھلی چوک موضع تھلواڑی، رحیم یار خان	درج	۔	روزنامہ خبریں
02 جولائی	ز	خاتون	۔	شادی شدہ	لطف لغاری	دیور	گوٹھ اللہ ڈنو لغاری، میر پور ماتھیلو، گھوٹکی۔ سندھ	۔	۔	روزنامہ کاوش
یکم جولائی	فیضان	بچہ	5 برس	غیر شادی شدہ	شفیق	اہل علاقہ	90/9 ایل، ساہیوال	درج	۔	روزنامہ ایکسپریس
3 جولائی	۔	خاتون	17 برس	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	چک 423 ج ب، ٹوبہ ٹیک سنگھ	درج	۔	روزنامہ ڈان
4 جولائی	گل شیر	بچہ	9 برس	غیر شادی شدہ	بابر علی	اہل علاقہ	قصبہ فتیانہ، اوکاڑہ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
4 جولائی	الف	خاتون	۔	۔	افتخار	اہل علاقہ	تھانہ سٹی، پسرور	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
4 جولائی	س	خاتون	۔	۔	اشرف	اہل علاقہ	گاؤں بسرا شامے والا، پسرور	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
4 جولائی	ح	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	سنی مسیح	اہل علاقہ	اوکاڑہ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
05جولائی	الف	خاتون	10برس	غیر شادی شدہ	محبوب سندرانی	اہل علاقہ	اچھی مسیت شکارپور۔سندھ	درج	۔	روزنامہ کاوش
05جولائی	س	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	یونس	س	الہ آباد،قصور	۔	۔	روزنامہ دنیا
05جولائی	س	خاتون	۔	شادی شدہ	بشیر	اہل علاقہ	الہ آباد،قصور	در	۔	روزنامہ دنیا
05جولائی	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	ناظر	اہل علاقہ	حاجی آباد،شیخوپورہ	۔	۔	روزنامہ دنیا
06جولائی	س	خاتون	۔	۔	مجید، جاوید	اہل علاقہ	کسووال	۔	۔	روزنامہ ایکسپریس
6جولائی	ش	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	فیضان، وحید	اہل علاقہ	گلومنڈی	درج	۔	روزنامہ نوائے وقت
07جولائی	ش	خاتون	۔	شادی شدہ	جمیل قریشی	اہل علاقہ	نیو پنڈ سکھر۔سندھ	۔	۔	روزنامہ کاوش
07جولائی	ح	خاتون	۔	شادی شدہ	تین افراد	رشتہ دار	گیمڑو،گھوٹکی۔سندھ	۔	۔	روزنامہ کاوش
07جولائی	ش	خاتون	۔	شادی شدہ	حبیب	اہل علاقہ	گجرات	۔	۔	روزنامہ دنیا
07جولائی	ب	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	عبدالشکور،عبدالصبور	۔	راجن پور کلاں،رحیم یار خان	درج	۔	روزنامہ خبریں
07جولائی	ر	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	۔	۔	رحیم یار خان	درج	۔	روزنامہ خبریں
07جولائی	س	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	گل محمد	اہل علاقہ	محمد پور قریشیاں،رحیم یار خان	درج	۔	روزنامہ خبریں
08جولائی	ر	خاتون	15برس	غیر شادی شدہ	حسن بٹ	اہل علاقہ	شالیمار،لاہور	درج	گرفتار	روزنامہ نوائے وقت
08جولائی	ح	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	گاؤں بٹر،سیالکوٹ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
08جولائی	الف	بچی	13برس	غیر شادی شدہ	اللہ دتہ	۔	گوجرہ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
08جولائی	ج	خاتون	15برس	غیر شادی شدہ	سفیان،تنویر	اہل علاقہ	سیالکوٹ	۔	۔	روزنامہ نوائے وقت
09جولائی	م	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	عمر دراز	اہل علاقہ	434ج ب،گوجرہ	۔	۔	روزنامہ نئی بات
09جولائی	طارق	بچہ	6برس	غیر شادی شدہ	گلزار احمد	اہل علاقہ	چک 117دس آر،صادق آباد	درج	۔	روزنامہ خبریں
10جولائی	م	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	ارشد امجد	اہل علاقہ	ملت ٹاؤن،فیصل آباد	درج	۔	ایکسپریس ٹریبون
10جولائی	ن پ	خاتون	۔	شادی شدہ	عامر	اہل علاقہ	موچی والا گڑھ مہاراجہ	درج	۔	روزنامہ جنگ
11جون	ش ب	خاتون	۔	۔	عاطف، ذوہیب، خالد	اہل علاقہ	باغبانپورہ،لاہور	۔	۔	روزنامہ نئی بات
11جون	ث	خاتون	۔	غیر شادی شدہ	۔	اہل علاقہ	سرگودھا یونیورسٹی	۔	۔	روزنامہ خبریں

صحت

بلوچستان میں ایک اور پولیو کیس

کوئٹہ کوئٹہ میں 2 جولائی کو پولیو کا ایک اور کیس سامنے آنے سے رواں سال بلوچستان میں ایسے کیسوں کی تعداد چار ہوگئی۔ کوئٹہ کے علاقے پشتون آباد میں ایک چار سالہ بچے میں پولیو وائرس کی موجودگی سامنے آئی۔ ایمرجنسی آپریشنز بلوچستان کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر سیف الرحمان کے مطابق، بچے کے والدین نے پولیو کے قطرے پلانے سے انکار کیا تھا۔ 'ہم نے متاثرہ بچے کے والدین کو قطرے پلانے پر راضی کرنے کی پوری کوشش کی، مگر وہ نہ مانے'۔ انہوں نے بتایا کہ اس حوالے سے مذہبی رہنماؤں سے مدد بھی حاصل کی گئی تھی۔ اب تک کوئٹہ میں دو، لورالائی اور قلعہ عبداللہ میں ایک ایک کیس رپورٹ ہو چکا ہے۔ محکمہ صحت کوئٹہ، قلعہ عبداللہ اور پشین کو پولیو وائرس کے حوالے سے خطرناک اضلاع قرار دے چکا ہے جبکہ یونیسف، ڈبلیو ایچ او اور محکمہ صحت ان اضلاع کی 45 یونین کونسلوں کو انتہائی رسک قرار دے چکے ہیں۔ ایمرجنسی آپریشن سینٹر کے ڈیٹا کے مطابق، بلوچستان میں 84 فیصد بچے پولیو ویکسین سے محروم ہیں اور ان میں وائرس کا خطرہ موجود ہے۔ ڈاکٹر سیف الرحمان نے بتایا کہ ان انتہائی رسک والی یونین کونسلوں میں پولیو وائرس ختم کرنے کیلئے انہوں نے ایک حکمت عملی تیار کی ہے۔ یاد رہے کہ بلوچستان حکومت نے پہلے ہی مہلک وائرس کو ختم کرنے کیلئے صوبے بھر میں ایمرجنسی لگا رکھی ہے۔ تاہم، امن وامان کی خراب صورتحال اور پولیو رضا کاروں پر حملوں کی وجہ سے پولیو کے خلاف مجموعی مہم متاثر رہی ہے۔

(نامہ نگار)

'ذہنی مریض' کے ڈیتھ وارنٹ جاری

لاہور پاکستان میں سزائے موت پر عمل درآمد کا سلسلہ گذشتہ برس دسمبر میں سات برس کے وقفے کے بعد شروع ہوا تھا۔ پاکستان میں حکومت نے ماہِ رمضان کے بعد ملک میں سزائے موت پر عمل درآمد کا سلسلہ بحال کرنے کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ اس سلسلے میں لاہور کی ایک عدالت نے قتل کے ایک مجرم خضر حیات کو 28 جولائی کو پھانسی دینے کے لیے ڈیتھ وارنٹ جاری کیا ہے تاہم سزائے موت کے بعض دیگر فیصلوں کی طرح یہ مقدمہ بھی متنازع بن گیا ہے۔ مجرم کے وکلاء کا موقف ہے کہ وہ ایک ذہنی مریض ہے اور پاکستانی اور بین الاقوامی قوانین کے تحت کسی ذہنی مریض کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ حقوقِ انسانی کے امریکی ادارے ہیومن رائٹس واچ نے حکومتِ پاکستان سے خضر کی پھانسی روکے جانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس ذہنی مریض کو سزائے موت دیا جانا 'وحشیانہ' اقدام ہوگا اور اس سے اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی خلاف ورزی بھی ہوگی۔ خضر حیات کی سزا پر عمل درآمد کے لیے اس سے قبل 16 جون کی تاریخ دی گئی تھی لیکن لاہور ہائی کورٹ نے ایک روز قبل اسے وقتی طور پر روک دیا تھا۔ اب انھیں دوبارہ سزائے موت کا سامنا ہے اور ان کے اہل خانہ ایک مرتبہ پھر سڑکوں پر آ کر انہیں بچانے کی کوشش میں لگ گئے ہیں۔ خضر حیات کو اپنے ہی ایک ساتھی پولیس اہلکار کے قتل پر سنہ 2003 میں موت کی سزا سنائی گئی تھی اور وہ سزا پر عمل درآمد کے انتظار میں 12 سال سے زیادہ کا عرصہ قید میں گزار چکے ہیں۔ اس دوران اس کے وکلاء اور اہل خانہ کا کہنا ہے کہ وہ اپنا ذہنی توازن بھی کھو چکے ہیں۔ جیل حکام نے انھیں 2008 میں 'پیرانوائڈ شیزوفرینیا' کا مریض قرار دے دیا تھا۔ اس وقت کے بعد سے ڈاکٹر انھیں طاقتور ادویات دے رہے ہیں اور ان کے وکلاء کا کہنا ہے کہ ان ادویات کے علاوہ خضر کا کوئی دوسرا علاج نہیں ہے۔ جسٹس پراجیکٹ پاکستان کے شہاب صدیقی کہتے ہیں کہ پاکستانی اور بین الاقوامی قوانین کے تحت خضر کو سزائے موت دینا غیر قانونی ہے۔ پابندی کے خاتمے کے بعد سے پاکستان میں 170 سے زیادہ افراد کو سزائے موت دی جا چکی ہے۔ 'خضر حیات ذہنی مریض ہے اور لاہور کی کوٹ لکھپت جیل میں سال ہا سال کی تکلیف برداشت کر چکا ہے۔ اس کی جگہ کسی ذہنی امراض کے علاج کے مرکز میں ہے نا کہ جیل میں'۔ خضر کے طبی ریکارڈ کے مطابق اس پر ذہنی مرض کے اثرات فروری 2008 سے ظاہر ہونا شروع ہوئے تھے۔ اس ذہنی حالت کی وجہ سے وہ ساتھی قیدیوں کے تشدد کا شکار بھی ہوئے اور ایک بار تو ان پر بُری طرح سے تشدد کیا گیا کہ سر پر آنے والی شدید چوٹوں کی وجہ سے ہسپتال میں داخل کروانا پڑا۔ اس وقت ان کا پوسٹ مارٹم کا حکم بھی یہ سمجھتے ہوئے دے دیا گیا کہ شاید وہ مر چکے ہیں۔ اس کے بعد سے انہوں نے اکثر وقت قید تنہائی میں گزارا اور پھر 2012 میں حالت مزید خراب ہونے پر انھیں مستقل طور پر جیل کے ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ خیال رہے کہ پاکستان کے وزیرِ اعظم نواز شریف نے گذشتہ سال 16 دسمبر کو پشاور میں آرمی پبلک سکول پر طالبان کے حملے کے بعد دہشت گردی کے مقدمات میں ملوث مجرموں کی سزائے موت پر عائد سات سالہ غیر اعلانیہ پابندی ختم کرنے کی منظوری دی تھی۔ ابتدائی طور پر یہ پابندی صرف ان مجرموں کی سزائے موت پر سے اٹھائی گئی تھی جنھیں انسدادِ دہشت گردی کی عدالتوں کی جانب سے یہ سزا سنائی گئی تھی تاہم بعد میں تمام پھانسیوں کی سزاؤں سے یہ پابندی ختم کر دی گئی تھی۔ پابندی کے خاتمے کے بعد سے پاکستان میں 170 سے زیادہ افراد کو سزائے موت دی جا چکی ہے اور اس پر حقوقِ انسانی کی مقامی اور عالمی تنظیموں کی جانب سے کڑی تنقید کی گئی ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے مطابق پاکستان کی جیلوں میں اس وقت کل 8500 کے قریب ایسے قیدی ہیں جنھیں موت کی سزا سنائی جا چکی ہے اور ان کی تمام اپیلیں مسترد ہو چکی ہیں اور ان میں سے کئی ایک دہائی سے زیادہ عرصے سے سزا پر عمل درآمد کے منتظر ہیں۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

تنخواہوں سے محروم لیڈی ہیلتھ ورکرز کا احتجاج

حیدرآباد 6 جولائی کو سندھ بھر کی لیڈی ہیلتھ ورکرز نے تنخواہوں اور دیگر مراعات کی عدم ادائیگی کے خلاف کئی گھنٹے پریس کلب کے سامنے دھرنا دیا جس میں لیڈی ہیلتھ ورکرز نے بڑی تعداد میں شرکت کی جو اپنے مطالبات کے حق میں نعرے لگا رہی تھیں۔ دھرنے کی قیادت ایسوسی ایشن کی صوبائی صدر حلیمہ لغاری کر رہی تھیں۔ بعد ازاں لیڈی ہیلتھ ورکرز نے ایس ایس پی چوک پر بھی دھرنا دے کر سڑک بلاک کر دی جس کے نتیجے میں ایس ایس پی آفس چوک پر ٹریفک کا نظام درہم برہم ہوگیا۔ مظاہرین سے حلیمہ لغاری، خالدہ گل اور فاطمہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انہیں سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق ریگولر تنخواہ دی جائے اور جولائی 2012ء سے لے کر آج تک کے تمام ڈیفرنس پلس بقایا جات دیئے جائیں۔ تنخواہ ٹریژری کے ذریعے دی جائے اور ہر ملازم کو جی پی فنڈ نمبر الاٹ کئے جائیں۔ بصورت دیگر احتجاج کا سلسلہ جاری رہے گا۔ لیڈی ہیلتھ ورکرز کا دھرنا کئی گھنٹے تک جاری رہا۔ اس دوران لیڈی ہیلتھ ورکرز پروگرام کے صوبائی کوآرڈینیٹر ڈاکٹر جے رام بھی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے ایل ایچ ڈبلیو کے رہنماؤں سے مذاکرات کرتے ہوئے انہیں 8 روز کے اندر تمام مطالبات حل کرنے کی یقین دہانی کرائی جس کے بعد لیڈی ہیلتھ ورکرز نے احتجاج ختم کر دیا۔ رابطہ کرنے پر حلیمہ لغاری نے ایچ آر سی پی کے ضلعی کورآڈینیٹر کو بتایا کہ اگر 8 روز میں وعدے کے مطابق مسائل حل نہیں کئے گئے تو ایل ایچ ڈبلیوز دوبارہ سڑکوں پر نکل آئے گی۔ (لالہ عبدالحلیم)

چار ہزار سے زائد والدین نے اپنے بچوں کو پولیو قطرے پلانے سے انکار کر دیا

کوئٹہ شمالی بلوچستان کے اضلاع کوئٹہ، پشین اور قلعہ عبداللہ میں چار ہزار سے زائد والدین نے اپنے بچوں کو پولیو قطرے پلانے سے انکار کر دیا۔ یہ بات کوآرڈینیٹر بلوچستان ایمرجنسی سیل ڈاکٹر سید سیف الرحمان نے ڈان نیوز کو بتائی۔ رواں سال بلوچستان میں چار پولیو کیس ریکارڈ کیے گئے جن میں سے تین انہی متاثرہ اضلاع سے تھے۔ سرکاری حکام والدین کے انکار کو درج بالا کیسوں کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ والدین کی جانب سے مزاحمت کرنے پر پولیو رضا کاروں کو ان تینوں اضلاع کے مختلف علاقوں میں بچوں کو قطرے پلانے میں دشواری کا سامنا ہے۔ زیادہ تر انکار کرنے کے واقعات کوئٹہ کے نواح میں افغان پناہ گزینوں والے علاقوں پشتون آباد، خروٹ آباد اور نوان قلعہ میں پیش آئے۔ ڈاکٹر رحمان کے مطابق، انہوں نے انکار کرنے والے والدین کا پتہ لگا لیا ہے اور اب انہیں راغب کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ بلوچستان حکومت نے ایسے والدین کو راغب کرنے کیلئے ڈپٹی کمشنروں کی سربراہی میں علماء پر مشتمل خصوصی کمیٹیاں تشکیل دے رکھی ہیں۔ سرکاری حکام کا کہنا ہے کہ بلوچستان میں 50 فیصد سے زائد پولیو کیس والدین کے انکار کی وجہ سے سامنے آ رہے ہیں جبکہ عزم کی کمی، متعلقہ حلقوں کی کوتاہی اور پولیو رضا کار ٹیموں پر حملے دوسری بڑی وجوہات ہیں۔ ڈاکٹر رحمان کہتے ہیں کہ بلوچستان کے کسی بھی حصے میں پولیو کیس برداشت نہیں کیا جائے گا۔ سیکریٹری صحت بلوچستان نور الحق بلوچ نے کوئٹہ کے پشتون آباد علاقے میں حالیہ پولیو کیسز کا نوٹس لیتے ہوئے ضلعی صحت افسر کے خلاف محکمانہ کارروائی جبکہ دوسرے افسروں کو اظہار وجوہ نوٹس جاری کیے ہیں۔ ڈاکٹر رحمان نے بتایا کہ صوبائی حکومت نے مزاحمت کرنے والے والدین سے فرداً فرداً رابطہ کرتے ہوئے انہیں راغب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ 'سرکاری افسر اور مذہبی رہنما بھی پولیو وائرس ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں گے'۔ انہوں نے بتایا کہ اب تک رضا کار، مذہبی سکالر اور دوسرے افسر کئی والدین کو راغب کر چکے ہیں اور انکار کرنے والے والدین کی تعداد میں بتدریج کمی آ رہی ہے۔ خیال رہے کہ یونیسف، عالمی ادارہ صحت اور وفاقی حکومت سمیت دوسرے اداروں نے کوئٹہ کے پشتون آباد علاقے میں والدین کے انکار کا سخت نوٹس لیا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ڈان)

آئی ڈی پیز کیمپ میں متاثرین کے لیے امداد کا اعلان

بنوں بنوں شمالی وزیرستان کے آئی ڈی پیز کیمپ میں فائرنگ کے دوران جاں بحق ہونے والے 2 افراد کی میتیں 22 جون کو اپنے اپنے علاقوں کو روانہ کر دی گئیں جبکہ گیارہ زخمیوں کو طبی امداد دی جا رہی ہے۔ حکومت کی طرف سے جاں بحق افراد کو 5 لاکھ روپے اور زخمی ہونے والے افراد کیلئے ڈیڑھ لاکھ روپے امداد کا اعلان کیا گیا ہے۔ بکا خیل آئی ڈی پیز کیمپ میں رجسٹریشن چیک پوسٹ نمبر 2 پر شمالی وزیرستان کے متاثرین کی بدنظمی کی وجہ سے اہلکاروں کی فائرنگ سے 2 افراد جاں بحق جبکہ 11 افراد زخمی ہو گئے تھے جس کے بعد اہلکاروں نے حالات پر قابو پا لیا۔ تاہم انہوں نے کیمپ کے اندر نقل و حمل پر پابندی لگا کر کرفیو نافذ کر دیا۔ جاں بحق ہونے والے دو افراد بلال اور رحمت اللہ کی میتیں تدفین کیلئے شمالی وزیرستان کے آبائی علاقوں کو روانہ کر دی گئیں جبکہ فائرنگ کی زد میں آنے والے گیارہ افراد ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ واقعہ کے فوراً بعد رات دیر تک پاک فوج کے کمانڈر مختیار کی صدارت میں بکا خیل آئی ڈی پیز کیمپ میں جرگہ ہوا جس میں اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ شمالی وزیرستان ظہیر الدین بابر، اے پی اے ایف آر بنوں جاوید اللہ محسود، ایف ڈی ایم اے حکام کے علاوہ شمالی وزیرستان کے مشران ملک شاہنواز خان، ملک نصر اللہ خان، ملک غلام خان، ملک خان دراز، ملک سید نور، ملک وکیل خان نے شرکت کی۔ جرگہ میں واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا گیا اور واقعہ میں جاں بحق ہونے والے افراد کیلئے حکومت کی طرف سے 5 لاکھ روپے اور زخمی ہونے والے گیارہ افراد کیلئے ڈیڑھ لاکھ روپے امداد کا اعلان کیا گیا۔

(نامہ نگار)

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط

تنخواہوں کی ادائیگی کا مطالبہ

کنری 10 جولائی کو تحصیل کنری کی یونین کونسلوں کنری سٹی، مین کنری، بس سٹاپ اور چھچھڑوں کے ملازموں نے تنخواہیں نہ ملنے کے خلاف یوسی آفس کنری سے پریس کلب تک احتجاجی ریلی نکالی اور مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر ملازمین، عبدالحسین، حنیف، گھنشام، آغا محمد اور دیگر نے کہا کہ انہیں دو ماہ سے تنخواہیں نہیں دی گئیں۔ یوسف میمن کنری کے ملازمین کو گزشتہ آٹھ ماہ سے تنخواہیں نہیں ملیں۔ تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے اُن کے اہل خانہ فاقہ کشی کا شکار ہیں۔ اور لوگ ادھار اٹھا کر اپنی روزمرہ کی چیزوں کو خرید رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان پر مزید قرضہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔ آفس کلرک ملازموں سے پانچ ہزار روپے مانگتا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں جلد از جلد تنخواہیں دی جائیں۔ دوسری صورت میں احتجاج کا دائرہ بڑھایا جائے گا۔

(اوکہول)

بیروزگار نوجوانوں کا احتجاج

عمرکوٹ 9 جولائی کو عمرکوٹ شہر سامارو میں بیروزگار پڑھے لکھے نوجوانوں نے سندھ یوتھ ایکشن، جسقم، عوامی تحریک کے کارکنوں شنداس، مرتضٰی کالرو، جیرام مالہی اور دیگر رہنماؤں نے احتجاجی ریلی نکالی۔ اس موقع پر تعلیم یافتہ بیروزگار نوجوانوں نے کہا کہ ضلع عمرکوٹ میں 15 سے زیادہ بڑی سماجی تنظیمیں مختلف پراجیکٹ چلا رہی ہیں۔ مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ ضلع کے مختلف علاقوں میں کام کرنے والے غیر مقامی نوجوانوں کو نوکریاں دی جائیں۔ دوسری صورت میں عدالت سے رجوع کریں گے۔ تعلیم یافتہ بیروزگار نوجوانوں کی طرف سے ضلع عمرکوٹ کی تحصیل ہیڈکواٹروں میں بھی احتجاج ریکارڈ کروایا گیا۔

(اوکہول)

CRC: the long road to implementation

Pakistan was a long way from implementing the Convention on the Rights of the Child (CRC) and the fact that it had been far from enthusiastic in implementing recommendations made by the Committee on the Rights of the Child in 2009 had made the task that much harder. This was the conclusion of a consultation the Human Rights Commission of Pakistan organised in Islamabad on July 28 to discuss Pakistan's performance on implementation of the CRC.

Representatives of various civil society organisations and researchers working on child rights participated in the event.

They noted that Pakistan had so far submitted five periodic reports to the UN Committee on the Rights of the Child to offer details regarding implementation of the CRC. The most recent report was submitted in January 2015. In its last response to Pakistan's combined 3rd and 4th periodic reports in 2009, the UN committee had made 54 recommendations, more than half of which were repeated from the committee's response to Pakistan's second periodic report in 2003, the participants stated.

The participants evaluated the performance on implementing the 54 recommendations that Pakistan had received on child rights from the CRC committee and the 21 child-specific recommendations the country had accepted during its 2012 Universal Periodic Review (UPR). The consultation looked at four broad areas: legislative concerns; education and health; alternative care; and vulnerabilities and exploitation of children.

They said that it was a matter of shame and disappointment that Pakistan had failed to meet the targets set in child-specific Millennium Development Goals (MDGs). They said that it was alarming that Pakistan had failed to implement even the 21 child-specific recommendations it had accepted during its last UPR.

The participants called for urgent and meaningful action to curb violence being committing against children and particularly highlighted the additional vulnerabilities of refugee and internally displaced children, children in armed conflict, physically and mentally challenged children as well as street children. They said that the needs of children in the legal process had not been addressed and even the measures provided in the Juvenile Justice System Ordinance had been lacking.

It was acknowledged that allocation of resources was important for providing quality education and health to the children but a strong commitment was the most important thing and if that was there resources could be generated. The participants concluded that without a strong commitment to implementation the children of Pakistan would continue to be denied any benefit from ratification of the Convention on the Rights of the Child.

The Islamabad consultation in progress.

been forcibly taken from a Bara-based faction of Laskar-e-Islam, a militant anti-state group. A spokesperson for Laskar-e-Islam claimed responsibility for the attack.

- On May 18, unidentified men on a motorbike shot and killed tribal leader Sahib Khan. He was returning home from Jamrud Bazar with his grandson when he was killed. Militants' involvement was suspected. A few months earlier, Sahib Khan's son had also been targeted in an attack by unidentified militants.
- On May 20, an explosion killed one member of a volunteer peace force and injured two others. No group accepted responsibility but militant extremists were believed to be behind the attack.

Orakzai Agency

- On May 10, Taliban militants kidnapped, shot and killed a man they accused of passing information about them to the authorities. The victim was 18-years-old and the Taliban said they had killed him to set an example for others.
- On June 5, a man who had been opposing the Taliban was kidnapped and killed by the militants. The Taliban had also attempted to abduct him six months earlier.
- On June 15, a man who had been helping with the security forces' operation against militants was gunned down by unidentified men when he was returning home from a mosque. He had previously been threatened by the Taliban.
- On June 25, a man, whose family had been assisting the security forces' operation against the militants, was abducted and killed by the Taliban.

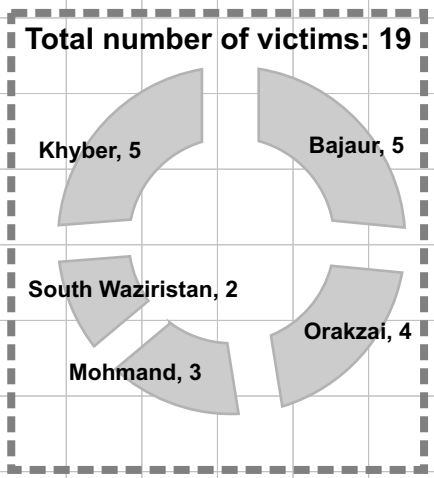

Mohmand

- In February, members of the local peace committee were attacked by unidentified assailants. The committee members were patrolling Shandara area of Baizai Tehsil when an explosive device went off on the road. Four volunteers were injured in the attack.
- On May 7, a member of a local peace committee was killed in an apparently targeted bomb attack in Safi sub-district. The security forces reached the area after the attack and defused another bomb.
- On May 27, three peace committee members were injured in a landmine blast while they travelled in a vehicle. A local Taliban faction claimed responsibility for the attack.

South Waziristan

- In South Waziristan, on March 23, a man known for his anti-Taliban views in the Anar Cheena area, Shakai sub-district, was abducted and killed. The villagers later found his body with numerous bullet wounds near his house. Since he had no known enmity, it was presumed that he was abducted and killed by the Taliban.
- On June 6, a man who had been speaking out against Taliban excesses was abducted and killed by the militants.

While citizens are not immune from lawlessness and random acts of violence in any part of the country, asking citizens to take up arms to secure their neighbourhoods is shown to have raised the risks they face.

They are not only exposed to dangers of injury or death at the hands of the militants but also to further brutalization of society amid more weapons being placed in the hands of civilians.

The military should move out of these areas only after ensuring that the threat of militancy has been eliminated and the citizens would remain safe. The high profile people who have been part of organised efforts to resist the militants should get appropriate security. It is the government's responsibility to protect the lives and right of its citizens, and leaving the citizens to fend for themselves id overlooking that basic responsibility.

Targeted for aiding counter-terrorism efforts in FATA

The lingering militancy in the Federally Administered Tribal Areas (FATA) has taken a heavy toll on the population amid brutal attacks and violence. During security forces' operations against militant extremists there the authorities have sought to organise male citizens into *lashkars* and peace committees at the community level to stand up to the extremists.

In the short-term, this strategy might have boosted the anti-militancy operations, however, it has come at a direct cost to the citizens who have joined this effort. Many have faced targeted retaliatory attacks.

With active military operations ending in some parts of FATA, most of the citizens' groups have been disbanded but the militants continue to carry out targeted attacks against individuals who were part of the *lashkars* and peace committees. They are also targeting citizens they suspect had helped the authorities in countering the militancy. Sometimes, people have been killed for speaking out against the Taliban and allegedly providing information about them to the authorities.

Over the first six months of 2015, a total of 19 cases were reported from FATA where individuals were targeted for supporting the anti-militancy efforts of the authorities. The highest number of cases was reported from Bajaur and Khyber, followed by Orakzai, Mohmand and South Waziristan.

2015: Attacks on civilians helping counter-militancy efforts

Bajaur	Khyber	Orakzai	Mohmand	South Waziristan	Total
5	5	Baja 4 ur	3	2	19

- On January 8, two unidentified motorcyclists shot and injured a man who had been facilitating the authorities in tackling the terrorists. The victim was hospitalised.
- On January 18, a man said to be supporting the security forces' efforts in countering terrorism was targeted in a bombing when he was going to a mosque to offer *Fajr* prayers. He was injured in the explosion. Five persons were arrested over suspicion of their involvement in the attack.
- On January 22, a man who was part of an Aman Lashkar (peace militia), formed to maintain security and resist Taliban attacks was shot and killed by unidentified men. He did not have any enmity with anyone and militants' involvement was suspected in the targeted attack.
- On May 2, the son of an influential member of peace committee was targeted and killed in a bombing. The deceased was a primary school teacher and was on his way to work in the morning when the bomb exploded. He received critical injuries and died at a hospital.
- On May 11, two tribal elders were killed in a remote-controlled explosion in Bar Kamar area, in Upper Mamond sub-district. The two elders were openly opposed to the Taliban and had assisted in the security forces' operation against the militants. Both succumbed to their injuries while four other people were also killed as a result of the blast.

Khyber

- On January 24, four members of a group of volunteers fighting against militant extremists were targeted in a bombing during a routine patrol in Narray Baba area. Two volunteers died and another two were injured. No one claimed responsibility but the militants that the volunteer force had been fighting had been involved in previous similar attacks.
- On January 24, another member of the same volunteer group was shot and killed by unidentified militants. A case was registered against Lashkar-e-Islam, a militant group active in the district.
- On February 8, three members of a government-supported volunteer militia were killed and five others were wounded when an explosive device went off in Nari Bab area of Tirah Valley. The house had

to be hospitalized. Her husband approached the police to register a case but they refused, stating that the action was legal.

- On June 11, security forces personnel beat up three persons protesting against the election results. Supporters of different political parties were protesting against the results of the GBLA-16 constituency when the personnel dispersed the crowd. A representative of the local administration asked the protestors to choose three representatives for talks. The three men selected were taken to Chilas Rest House and allegedly beaten with pipes, rods and batons.
- On June 13, an independent election candidate from the GBLA-17 constituency was arbitrarily detained and severely beaten by police for submitting a complaint against security personnel deputed at a polling station. According to the victim, he had submitted a complaint to an officer of the security detail deployed for election duty in Diamer that personnel on duty at Thak Nalah had facilitated rigging. He said that the officer allegedly ordered the police to book the complainant on charges related to terrorism and public mischief against him and 150 of his supporters. The candidate and local journalists said that most of the booked supporters had been arrested within one week and many claimed to have been beaten in custody.

Skardu

- On June 8, a man died when he slipped and fell following a clash between political opponents on polling day. Police had used tear gas and batons to disperse the crowd. The victim tried to escape the police beating but fell into the ditch and died. Two persons were also injured when they jumped into the ditch to save the victim.
- On June 6, a man campaigning for an election candidate was beaten allegedly by workers of Pakistan Muslim League-Nawaz (PML-N). Allegedly they also complained to the police that he was driving while under the influence of alcohol. Police arrested him, however, a medical examination showed that he was not drunk. He was released after two days. He said police had beaten him on both nights, which he claimed had left his body covered in bruises. He said he had submitted a complaint to the Inspector General of Police in Gilgit-Baltistan but he had not received a response.

Ganche

- On June 12, a candidate for legislative assembly elections threatened another candidate for the religio-political party Majlis-e-Wahdatul Momineen (MWM) for dividing the vote bank of the former. The perpetrator accused the MWM candidate of receiving money from the PML-N and standing in the elections just to divide the votes, and facilitating the PML-N victory from the seat. The MWM candidate alleged that the candidate had threatened to kill him and stated that they could murder him and make it look like a road accident any time. The victim said that he had informed the police but claimed the police were incapable of taking action against the influential perpetrators.

Astore

- On June 1, four workers of the PML-N claimed that they had been tortured by the police during custody for allegedly attacking workers of Pakistan Tehreek-e-Insaf (PTI) political party. They claimed that they were innocent but police had beaten them with sticks and kicked and punched them because the PTI candidate from the constituency enjoyed influence with the police.

For an election where there were grave apprehensions of sectarian and other violence, the June 8 exercise was largely violence-free. However, it is imperative to investigate the complaints of unbridled use of force and torture made against the security forces and the police. Doing that would not only demonstrate commitment to punish those abusing the coercive force the state placed on their disposal but also to learn from past mistakes and ensure truly violence-free elections and policing.

Gilgit-Baltistan: beyond polling day violence

The generally orderly conduct of the Gilgit-Baltistan Legislative Assembly (GBLA) elections, held on June 8, was welcomed by civil society organisatons, including the Human Rights Commission of Pakistan (HRCP). There had been apprehension of sectarian tensions or clashes during the elections but none was reported.

However, the elections and the days following the elections were not entirely violence-free.

HRCP field monitors reported some incidents of polling day violence, as well as several cases of hostility among opposing political groups and torture, mistreatment and highhandedness at the hands of police and the security forces. The main incidents are briefly recounted below.

Diamer

- On June 10, the security forces raided Thore village to apprehend several people wanted on charges of unruly behaviour and disturbing the elections. Some security personnel beat up villagers, and destroyed five houses with bulldozers. On election day, a clash had occurred between workers of Pakistan People's Party (PPP) and those of an independent candidate at a polling station. The PPP workers had reportedly stolen ballot boxes, thrown them in a river and snatched weapons from security personnel at the polling station. During a 15-hour military operation the next day in the nearby Thore village, the suspects were not found. The following day, the military arrived with bulldozers and demolished five houses. The villagers then handed over a PPP candidate from that constituency, and 42 of his supporters to the security personnel. While sharing details of their detention following their release, the men taken into custody said they were first detained and beaten by the personnel at Chilas Rest House and subsequently in police custody. Police registered a case against them under the Anti-terrorism Act.
- On June 8, security forces personnel at a polling station in Batoh Kot beat a woman voter with sticks when she tried to jump the queue to cast her vote because she had pain in her legs and could not stand for much longer. She fell unconscious after the beating and had

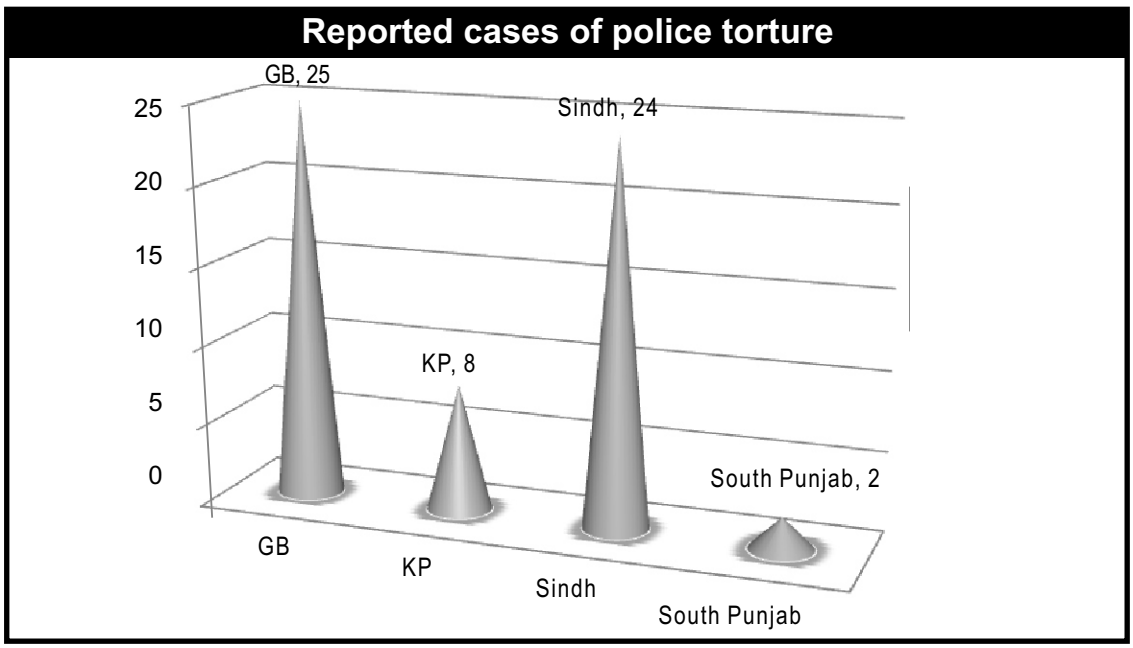

him to a police station and kicked, punched and beat him with sticks for over an hour. They made him sign a reconciliation agreement later and warned him against telling anyone about the incident. The superintendent of police suspended three police personnel after members of the union of journalists protested outside the police station.

- In Ghizer, on April 20, two students of the 9th and 10th grade were arrested by the police on charges of murder. For four nights they were beaten with batons in judicial lockup as police asked them to confess the murder. Their parents said they were afraid to register a complaint against the torture for fear that their detained children would be treated even more harshly after a complaint.
- In Tank, Khyber Pakhtunkhwa, on May 16, a man was allegedly tortured by the SHO of Tank City Police Station city for refusing to pay a bribe. The victim claimed that the SHO had visited his superstore and demanded money and once he refused, the SHO and other policemen started beating him. The police, however, claimed that during a body search, a pistol was found on him and he had abused policemen. An inquiry was instituted and the SHO transferred.
- In Dadu, on May 27, two policemen in plain clothes raided a house and took a suspect into custody. They also beat up his mother when she tried to stop them.
- In Larkana, in the morning on June 22, police stopped a man driving a car and demanded to see his driver's license. When he failed to produce the license, the police asked for a bribe. On his refusal, they snatched cash and a cell phone from him. They took him to the police station where they beat him and later threw him outside his house in an unconscious condition at midnight. He submitted an application to the Larkana special superintendant of police (SSP) who suspended three policemen, including a station house officer (SHO).

Many victims said that they chose not to obtain a medical certificate or report the matter to the authorities because they were afraid that the police would retaliate. Some said that reporting the cases was pointless as they would lead to a departmental inquiry at best and felt that the inquiry would not be independent.

In many cases, the police refused to register a case against one of their own and threatened the victims and their families.

The incidence of torture can be reduced by setting up independent complaint mechanisms and offering protection to the complainants who fear retaliation by the police. Certainty of justice will encourage the victims to come forward with complaints and will chip away at the impunity the perpetrators enjoy.

The pervasive nature of such excesses also strengthens the argument for inclusion in the penal code of a specific crime covering custodial torture. Last but not least, in line with Pakistan's obligations under CAT, a mechanism of financial compensation for the victims should be put in place in cases where torture is proven.

Ending torture remains an ongoing battle

When Pakistan ratified the Convention against Torture (CAT) in 2010, civil society organisations had hoped that the government would make meaningful efforts to end pervasive torture. Half a decade later, there has been little movement towards that goal.

HRCP monitors from around 55 selected districts across six regions of the country over the first six months of 2015 reported 59 cases of torture where the perpetrator were the police. Few cases of police torture were reported from the selected districts in Federally Administered Tribal Areas (FATA) and Balochistan. However, torture in detention by security forces was reported from there.

Many of the victims were suspects tortured by policemen during questioning to extract information or a confession. Families of the suspects who tried to intervene in their arrest were also beaten up, especially in Sindh. Sometimes, individuals who were stopped at road check points and asked for a bribe or had an argument with the police were subjected to torture.

However, in many cases the torture was systematic and planned. The victims were beaten up or tortured by other means at somewhat regular intervals for days. A break-up of the reported cases showed that the incidence of police torture was higher in some regions than the other.

Of the 59 cases involving torture by the police, the highest number of cases emerged from Gilgit Baltistan, followed by Sindh and South Punjab.

January - June 2015: Incidents involving police torture

Gilgit Baltistan	Interior Sindh	South Punjab	Khyber Pakhtunkhwa	Total
25	24	2	8	59

Some of the emblematic cases are as follows:

- In Diamer, on February 12, police arrested four members of a student organisation for alleged involvement in terrorism-related activities. They had been tracked through a press release they had issued to highlight illegal recruitments in a government department. For two days they were beaten at night with water pipes after two hours intervals. On the third day, they were produced in an anti-terrorism court. The court remanded them into police custody for seven days. During this time, the suspects said policemen continued to beat them with water pipes with a view to get a confession. Two of the victims had to be hospitalized later because of the injuries sustained during torture. After the remand period, the court issued an order to release them because no evidence had been produced to show their involvement in terrorist activities. Their legal counsel informed the judge that they had been tortured by police during remand but the judge ignored the complaint.
- In Gilgit, police arrested a man on a charge of theft on March 15. He said that policemen kicked and beat him with sticks intermittently for three hours to get a confession out of him. He was detained for two days and as part of torture the police also made him sign papers to the effect that he was divorcing his wife. Upon his release, the victim approached a local newspaper (daily Awsaf) which published a report on his ordeal on March 20.
- In Skardu, on March 28, police briefly took into custody a journalist who had argued with policemen who had asked him to move his car to a parking area. The journalist had argued that other people had also parked their cars where his car was parked. A number of policemen took

was issued many recommendations by the UN Working Group on enforced and involuntary disappearances in 2012 and another eight during the Universal Period Review 2012 (a review of human rights situation of all UN member states), of which Pakistan accepted only four. However, none of these recommendations were implemented. The recommendations included criminalization of enforced disappearance and becoming a party to the convention on disappearances. Neither suggestion has been heeded.

Crimes in the name of honour

The so-called honour crimes are criminal acts which have been committed to protect or defend the supposed honour or reputation of a family. The crimes are mostly aimed at women and can include physical abuse and even murder. The violence is supposed to restore the perpetrator's honour in response to a woman's actual or supposed defiance through actions such as matrimonial choice, or even talking to a stranger in person or on the phone. The practice is common in a handful of countries in the world, Pakistan being one of them. According to HRCP's figures, 128 women were subjected to physical abuse or murdered by male members of their family in the name of honor in the first six months of 2015.

Despite the passage of the Criminal Law Amendment Act in 2004, which defined 'honour' crimes and gave a harsher punishment for perpetrators, such a crime continues. The shortcomings in the law have been criticized by civil society and women rights groups. There is also the fact that the fundamental players in the criminal justice regime, including judges, lawyers, police, etc., are either unaware of the law or are subject to the same biases which result in 'honour' crimes. There is an urgent need for a sustained campaign to raise awareness about such crimes so that when individuals commit such crimes, family members, neighbors and society do not lend support to their actions but bring them to justice.

Attacks against minorities

The religious and sectarian minorities in Pakistan have been no strangers to economic and social discrimination, but in recent years they have also been facing violent attacks on account of their faith. Muslim minority sects including Hazara and other Shias and Ismailis have suffered attacks in the forms of targeted killings of prominent members of the community, as well as suicide bombings and attacks on their places of worship. There have been at least five incidents in the last three years where persons belonging to minority sects were slaughtered on the road as they travelled for pilgrimage or otherwise. Ahmadis have suffered targeted faith-based violence, as have Christians and Hindus. According to HRCP's monitoring in 52 districts of Pakistan, religious minorities were targeted 22 times in faith-based attacks in the first six months of 2015. This figure included at least two attacks on their places of worship.

After a deadly suicide attack following a Sunday Mass in a church in Peshawar in 2013 which killed over 100 Christians, a significant development for the minorities in Pakistan came in the form of a June 2014 judgment by the Supreme Court, which highlighted and strongly condemned the grim situation of the minorities. The judgment clarified and expanded the scope of Article 20 of the Constitution, which guarantees the right to freedom of religion. The ruling recommended that international human rights law and standards should be incorporated into domestic law and that a task force should be set up to promote religious tolerance. A year on, the recommendations remains unimplemented and as direly needed.

.

Attacks on rights defenders & journalists

International and local reports, rankings and experts continue to declare Pakistan as an extremely dangerous country for human rights defenders and journalists. The failure to bring the perpetrators to justice is believed to further embolden them. Even the perpetrators of attacks on high-profile journalists and rights defenders continue to elude justice. The 2015 report by Reporters Without Borders, an international media freedom watchdog, observed that the fact that crimes of violence against journalists are rarely solved and punished reinforces a climate dominated by death threats and physical attacks.

In the first six months of 2015, HRCP recorded 11 incidents of attacks against journalists and human rights defenders in the 52 districts of Pakistan.

The most prominent incident of attacks against human rights defenders in 2015 occurred in Karachi on April 24, when the director of the café T2F, Sabeen Mahmud was shot dead while on her way home after hosting a talk on the issue of enforced disappearances in Balochistan. She was shot by a young man who later told the police he was offended by her liberal lifestyle and progressive views. He was arrested but was yet to be sentenced.

It does not take rocket science to banish such alarming violations and denial of rights. However, the journey begins with a strong commitment to human rights, a focus on ending impunity and deference to human rights standards. So long as these ingredients remain in short supply, things are unlikely to improve.

Pressing rights concerns that refuse to go away

The Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) has been closely monitoring the human rights situation in over 52 districts across six regions of the country since September 2013. The regions are Gilgit-Baltistan, Khyber Pakhtunkhwa, FATA, South Punjab, Balochistan and Interior Sindh. Among the 11 violations being documented are torture, the so-called honor crimes, targeted attacks, enforced disappearance, attacks against educational institutions, religious minorities, journalists and human rights defenders. A closer look here at four of the most serious violations during the first six months of 2015 fails to find a silver lining.

Enforced disappearance

Enforced disappearance, where the state or its agents deprive a person of his liberty and refuse to acknowledge this deprivation of liberty, is a serious crime under international law. Enforced disappearance as a systematic practice began in Pakistan at the turn of the century in the context of the fight against terrorism and is now being employed in all parts of the country to fight not only terrorism but also to curb political dissent.

From disappearance of nationalists and suspected separatists in Balochistan to picking up of suspected Taliban in Khyber Pakhtunkhwa, this practice now extends to Sindh where the abduction and dumping of mutilated bodies of nationalists has been increasingly reported.

In around 52 districts across Pakistan, sixty enforced disappearance cases were brought to HRCP's attention in the first six months of 2015.

Despite the high incidence of enforced disappearance being recorded all over the country, Pakistan is yet to sign the United Nations Convention for the Protection of All Persons from Enforced Disappearance, a convention already endorsed by 94 nations. No provision in the domestic criminal law deals specifically with this grave violation of human rights. Pakistan

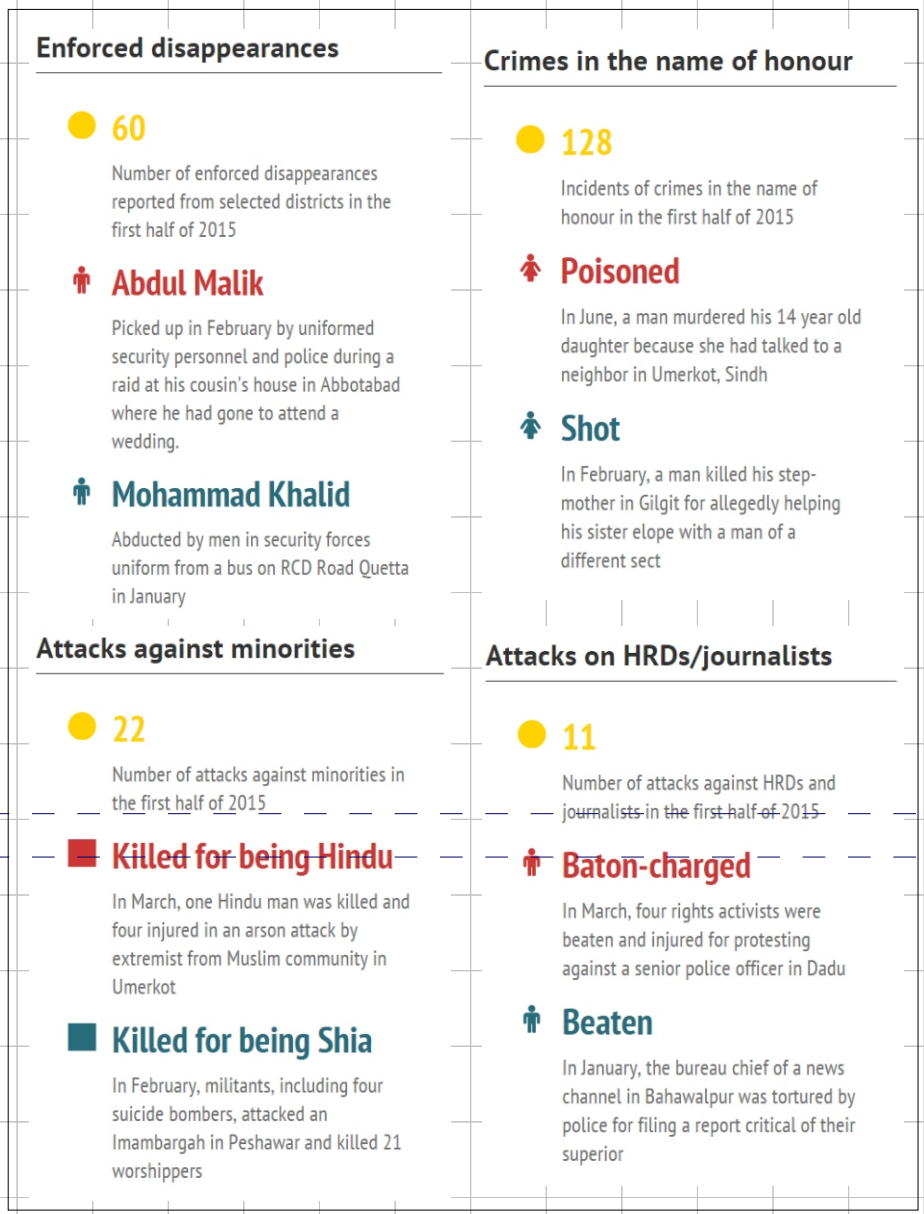

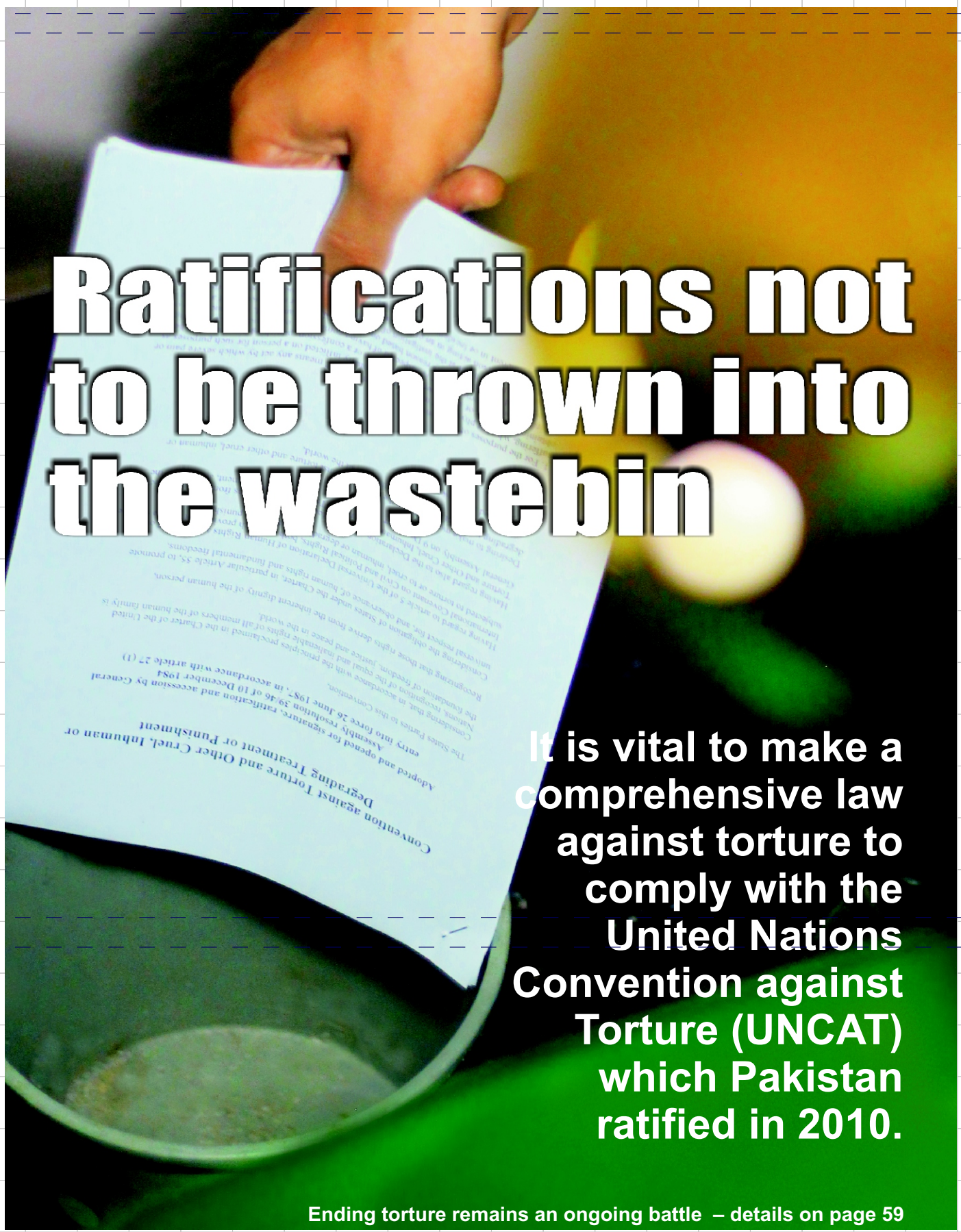
Ratifications not to be thrown into the wastebin
It is vital to make a comprehensive law against torture to comply with the United Nations Convention against Torture (UNCAT) which Pakistan ratified in 2010.
Ending torture remains an ongoing battle – details on page 59

Slum dwellers' plight and right to shelter

The action against slum dwellers in Islamabad's I-11 sector over the last few days of July has exposed issues much larger than the dislocation of tens of thousands of residents of slums in this one area of the federal capital.

The Capital Development Authority (CDA) had long been trying to get the land vacated and started the action for ending encroachments after a recent judicial pronouncement. During the operation over a couple of days, the administration razed hundreds of structures and arrested scores of people. At least 66 individuals arrested were booked under Section 7 of the Anti-Terrorism Act, 1997 (ATA) for “obstructing the authorities”, “demonstrating force with a view to terrorizing citizens” and “creating mischief”. The Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) has stressed the importance of due process for the people arrested for protesting as the houses were being bulldozed.

In this context, the International Commission of Jurists (ICJ) has also urged the government to immediately release, and drop all charges against, dozens of people arrested in the context of a peaceful protest against forced evictions. It has expressed concern over the use of counter-terrorism laws against peaceful protesters. In a statement released to the media, the ICJ said: “Forcibly evicting people from their homes without providing them any alternate housing can in itself be a human rights violation. Arresting peaceful protesters and denying their right to a fair trial even further adds to the culpability of the authorities.”

HRCP and several civil society organisations have called upon the authorities engaged in the anti-encroachment operation in Sector I-11 to act in a responsible manner. HRCP has reminded the government of its duty to provide shelter to the people of Pakistan and make arrangements to provide substitute housing to inhabitants of informal settlements.

The International Covenant on Economic, Social and Cultural Rights, which Pakistan ratified in 2008, obligates States to recognize the right to an adequate standard of living, which includes housing.

HRCP and several civil society organisations have called upon the authorities engaged in the anti-encroachment operation in Sector I-11 to act in a responsible manner. HRCP has reminded the government of its duty to provide shelter to the people of Pakistan and make arrangements to provide substitute housing to inhabitants of informal settlements.

HRCP does not justify encroachment, but it believes that the authorities can surely understand that the targeted slums did not offer the ideal lodging and, given a choice, most of the people would not have settled there. Amid all the talk of illegal encroachment, the point that the authorities are missing is that eviction from the slums will not make these people disappear. They will simply have to look for a home elsewhere.

The issue that really should have been at the heart of the whole episode but wasn't is the state's obligation to provide shelter and other amenities to the citizens.

Slums emerging in Pakistan's big cities is a direct response to the high cost of land and the inability of a large proportion of the population to afford housing.

In that context, the government must consider ways to meet the shelter needs of residents of informal settlements, providing them with viable, alternative lodgings before considering eviction. Not only would such action be considered civilised and considerate but would also indicate that the state is awake to its obligations.

Human Rights Commission of Pakistan
جہد حق Monthly JEHD-E-HAQ

Monthly JEHD-E-HAQ - August 2015 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 22..... شمارہ نمبر 08 ..... اگست 2015..... قیمت 5روپے

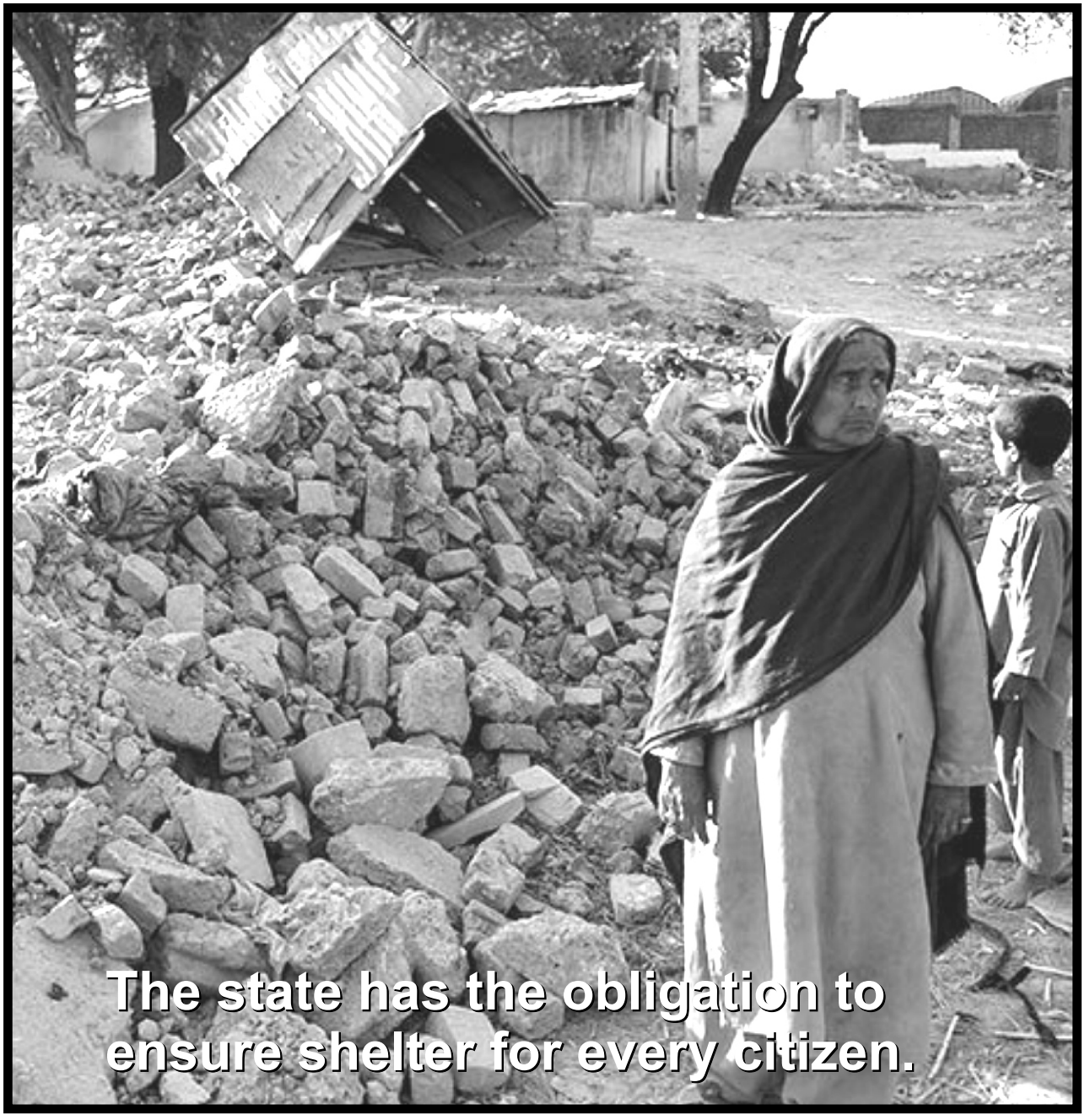

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹائون، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15